قرآنی علوم
سے متعلق
شیعہ مسلک
کی منفرد کتاب

الاعجاز

فی علوم القرآن

تحقیق
مولانا سید سبط شبر زیدی
وکیل آیت اللہ المنتظری

علوم قرآنی سے متعلق شیعہ مسلک کی منفرد کتاب

Date
ACC No.
Section مضامین قرآن Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

الاعجاز

فی علوم القرآن

تحقیق

مولانا سیّد سبط شبّر زیدی
وکیل آیت اللہ العظمیٰ منتظری

یکے از مطبوعات

زید بن علی فاؤنڈیشن پاکستان
۱۱/۳۔ ۲۔ جے ناظم آباد کراچی

کتاب: الاعجاز فی علوم القرآن
مصنف: مولانا سید سبط شبر زیدی
سال اشاعت: ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ / اگست ۱۹۹۷ء

مولانا سید سبط شبر زیدی کی کوئی بھی تحریر بلا ترمیم ہر شخص / ادارہ شائع کرنے کا مجاز ہے۔

نوٹ

اس کتاب کی قیمت صرف پانچ روپے ہے اس سے زیادہ ہرگز ادا نہ کریں ادارے کا مقصد تبلیغ ہے تجارت نہیں۔

MASOOMEEN WELFARE TRUST

فہرست

باب اوّل: القرآن ص۱۱ تا ۹۳

۱۔ قرآن کیا ہے؟
۲۔ قرآن کی وجہ تسمیہ اور اس کے مختلف نام
۳۔ نزول قرآن
۴۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت
۵۔ قرآن پڑھنے کی فضیلت اور اس کا ثواب
۶۔ شب قدر اور اس کی فضیلت
۷۔ قرآن کا کتابی شکل میں جمع ہونا
۸۔ قرآن کو پاروں، سوروں اور آیتوں میں تقسیم کرنا
۹۔ قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب اور نقطے لگانا
۱۰۔ آیاتِ محکمات اور متشابہات
۱۱۔ مکی اور مدنی آیات
۱۲۔ مکی اور مدنی سوروں کا جائزہ
۱۳۔ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت
۱۴۔ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت
۱۵۔ اہل بیت کی شان میں نازل ہونے والی آیات
۱۶۔ سجدے والی آیات
۱۷۔ خدا قرآن میں قسم کیوں کھاتا ہے؟
۱۸۔ قرآن میں کتنے انبیاء کا ذکر نام کے ساتھ ہے؟
۱۹۔ قرآن میں دیگر مخلوقات کے نام
۲۰۔ قرآن اور اس کا ترجمہ

باب دوم۔ فہم القرآن اور اقوال معصومین ؑ صفحہ ۵۴ تا ۵۹

۱۔ رسول کی اطاعت کا حکم
۲۔ صاحبانِ امر کی اطاعت
۳۔ آئمہ اطہار کے اقوال حجت ہیں!

باب سوم۔ قرآن اور تحریف صفحہ ۶۳ تا ۶۶

۱۔ تحریف کے معنی؟
۲۔ قرآن اور سنی علماء
۳۔ قرآن کے بارے میں شیعہ موقف

باب چہارم۔ علم تجوید صفحہ ۶۹ تا ۱۰۳

۱۔ تجوید کے معنی!
۲۔ علم تجوید اور شیعہ علماء کا فتویٰ نیز اصطلاحاتِ ضروریہ
۳۔ مخارج حروف اور صفاتِ حروف
۴۔ رموز و اوقاف
۵۔ علم تجوید سے متعلق بعض دیگر معلومات
۶۔ قرآن کی کتابت میں زائد حروف؟

باب پنجم۔ سبعہ قرأت صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۴

۱۔ سبعہ قرءات سے کیا مراد ہے؟
۲۔ سات مشہور قاری حضرات کے حالاتِ زندگی
۳۔ خلف، یعقوب اور ابن قعقاع کا ذکر
۴۔ بعض دیگر قاری حضرات کا ذکر
۵۔ بعض آیات کی قرأت میں اختلاف
۶۔ سات حروف کی تفسیر

باب ششم۔ ناسخ و منسوخ آیات صفحہ ۱۱۷ تا ۱۲۱

۱۔ نسخ کے معنی!
۲۔ ناسخ و منسوخ آیات کی فہرست

۳۔ ہمارا موقف

باب ہفتم۔ حروف مقطعات ص ۱۲۵ تا ۱۲۹

۱۔ مقطعات کے معنی!
۲۔ کتنے سوروں کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی؟
۳۔ حروفِ مقطعات کے معنی
۴۔ ہمارا موقف

باب ہشتم۔ آیت الکرسی ص ۱۳۳ تا ۱۳۸

۱۔ آیت الکرسی کی وجہ تسمیہ
۲۔ آیت الکرسی کی مقدار
۳۔ آیت الکرسی کی فضیلت

باب نہم۔ مضامین قرآن ص ۱۳۹ تا ۱۴۱

۱۔ قرآن میں کیا ہے؟
۲۔ سورۃ الاخلاص کو ثلث قرآن کہنے کی وجہ؟
۳۔ سورۃ الفاتحہ کیوں امّ القرآن ہے؟

باب دہم۔ تفسیر واصول تفسیر ص ۱۴۵ تا ۱۴۹

۱۔ تفسیر کے معنی!
۲۔ تاویل و تشریح!
۳۔ تفسیر و تاویل کا فرق
۴۔ ضرورت تفسیر
۵۔ اصول تفسیر

باب یازدہم۔ شیعہ مفسرین ص ۱۵۳

باب دوازدہم۔ قرآن سے متعلق چند مسائل شرعیہ ص ۱۶۱

بطور ضمیمہ۔ قرآن معجزہ ہے! ص ۱۶۳

توجہ فرمائیے

میں جب مجلس پڑھنے یا نکاح پڑھانے جاتا تو کبھی بعض نوجوان مجھ سے قرآن کے بارے میں چند ایسے سوالات کرتے جن کے جواب اردو ادب کی کسی عام کتاب میں ملنا تو درکنار بعض آئمہ مساجد کے علم سے بھی باہر ہوتے تھے لہٰذا میں نے ضرورت محسوس کی کہ ایک ایسی کتاب مرتب ہونی چاہیے جس میں نوجوانوں کے ذہن میں آنے والے سوالات کے جوابات بھی مرقوم ہوں اور ایسی معلومات بھی فراہم کی جائے جو کہ بعض آئمہ مساجد کے لیے بھی سودمند ثابت ہوں پس میری یہ تصنیف اسی ضرورت کی ایجاد ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر میں نے انتہائی مختصر بحث کی ہے۔

میں تقریر اور تحریر دونوں ہی میں احتیاط سے کام لیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ غیر مستند بیان نہ دوں مگر ہو سکتا ہے کہ کوشش کامیاب نہ ہو لہٰذا صاحبانِ علم و نظر سے میں اپنی غلطی کی نشاندہی کا متمنی ہوں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

گناہ گار

(سید سبط شبّر زیدی)

امام جماعت جامعہ امامیہ

ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

انتساب

اپنے اکلوتے دوست

سیّد علی رضا عابدی

کے نام

الٰہی! زندگی میں اُسے کوئی غم نہ ہو

باب اوّل

القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰO

قرآن کیا ہے؟ اہل علم سے مخفی نہیں کہ قرآن وہ مقدس کتاب ہے جو پروردگار عالم نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی ظاہری زندگی میں تقریباً تیئیس سال کے عرصے میں وقتاً فوقتاً نازل کی جو سرچشمہ ہدایت ہے اور بنی نوع انسان کے لیے اتحاد کا بہترین مظہر بھی۔ اب رہتی دنیا تک کسی نئے نبی و رسول کو نہیں آنا لہٰذا یہ الٰہی کتاب ہر زمانے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس اعلیٰ کتاب کو سمجھنے والے ہر زمانے میں کماحقہ اس کو سمجھانے اور سمجھنے سے قاصر ہی رہے۔ حضرت علی علیہ السلام بائے بسم اللہ ہی کی تفسیر میں رات گزار دیں اور اس کی تفسیر ختم نہ ہو کیا کوئی ایسا اہل علم زمانے کی آغوش میں پروان چڑھا کہ جس نے کسی ایک حرف کی اتنی تفسیر لکھی یا بیان کی ہو؟ شاید اسی لیے رسول اللہ فرما کے گئے تھے کہ

"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ...."

بہر حال ہر دور میں قرآن کو سمجھنے والوں کا فقدان ہی رہا۔ بعض افراد نے اپنی عقل کو پیمانہ قرار دیتے ہوئے عوام کو قرآن سمجھانا شروع کر دیا اور اقوال نبوی تک کو نظرانداز کر دیا۔ ہمارے یہاں کے بعض ذاکرین بھی قرآن سے اپنی مرضی کے مطابق استدلال کر کے عوام الناس سے دادِ تحسین وصول کرتے ہیں وہ آیات کو اس طرح توڑ کر پیش کرتے ہیں کہ ان کی عقل و ذہانت پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔

قرآن کے نزول کا بنیادی مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ اس کے ذریعے تزکیہ نفس کیا جائے۔ ہمارے یہاں اس مقصد کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ اب قرآن صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ بیٹی کو شادی کے موقع پر جہیز میں دے دیا جائے یا کوئی شخص سفر پر جا رہا ہو تو اسے قرآن کے سائے میں رخصت کر دیا جائے۔ واقعی قرآن آج بھی مظلوم ہے۔

قرآن میں کیا ہے؟ مختلف افراد کے واقعات، نصائح، بعض اہم عقائد، کچھ مسائل فقہی اور زمانے کے نشیب و فراز کے تذکرے اور بعض دیگر امور پر تبصرے کہ جن میں مختلف اقسام کی چیزوں کی خلقت پر تبصرہ کر کے ذہنِ انسانی کو خدا نے اپنی عظمت کا احساس دلایا ہے۔ بہر حال اس کو ہم باب نہم میں زیر بحث لائیں گے۔

اہلِ عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا۔ لہٰذا پروردگار عالم نے ان کی فصاحت و بلاغت کے جواب میں قرآن کو ایسا فصیح و بلیغ بنا کر نازل کیا کہ صدیاں گزر گئیں مگر قرآن کے ایک سورہ کا توڑ کفار پیش کرنے سے قاصر رہے۔ قرآن نہ تو مکمل نثر کی شکل میں ہے اور نہ شاعری کے طرز پر بلکہ اس کا انداز تخاطب انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کا محتاج ہے اپنی صداقت منوانے کے لیے؟ میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو ذاتِ ختمی مرتبت اپنی صداقت یا اپنا کردار منوانے کے لیے قرآن کی محتاج ہے اور نہ ہی قرآن ذاتِ رسالت مآب کا۔ کیوں کہ قرآن کا نزول نہیں ہوا تھا مگر عوام مصطفیٰ ﷺ کے مضبوط کردار کے قائل تھے اور آیات الہیٰ کو بنفسہ مشرکین کے سامنے پیش کیا گیا اور وہ اس کا جواب نہ لا سکے لہٰذا دونوں اپنی حیثیت منوانے کے لیے لازم و ملزوم نہیں۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتہ بہترین انسان اور قرآن بذات خود معجزہ ہے کہ جس میں ذاتِ نبوی کو دخل نہیں۔

قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں:

۱۔ مطلق

۲۔ مقید

مطلق وہ آیات ہیں جن میں کوئی قید اور پابندی نہ ہو جیسے "ادعونی استجب لکم" اور مقید وہ ہیں جن میں کوئی پابندی ہو جیسے سورۂ انعام میں ارشاد ہوا کہ "۔۔۔ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء۔۔۔" اس آیت میں قبولیت دعا کو مشیت الہیٰ کی قید سے وابستہ کیا گیا ہے۔ جب ایک ہی چیز کے لیے مطلق اور مقید دونوں قسم کی آیات ہوں تو مقید آیات کو ایک توضیحی

بیان تصور کرتے ہوئے مطلق آیات کے اندر بھی تقید کی پابندی لازماً متصور ہو گی۔

قرآن کی وجہ تسمیہ اور اس کے مختلف نام

قرآن کو قرآن کیوں کہتے ہیں؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ لفظ قرآن "قَرَنْتَ الشَّیْ بِالشَّیْ" سے مشتق ہے جو اس حالت میں بولا جاتا ہے جب کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے اور اس کا نام قرآن رکھا گیا کیوں کہ سورتیں، آیات اور حروف اس میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ ملائے گئے ہیں۔

۲۔ قرآن کا لفظ "قرائن" سے مشتق ہے کیوں کہ اس کی آیتوں میں سے بعض ایسی ہیں جو بعض دوسری آیتوں کی تصدیق کرتی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو کسی قدر دوسری آیتوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں اور انہیں باتوں کا نام قرائن یعنی قرینے ہے۔

۳۔ لفظ قرآن "قرات" کا مصدر ہے جس طرح رجحان اور غفران مصدر ہیں۔

۴۔ لفظ قرآن "فِعلاَن" کے وزن پر اسم صفت ہے اور "قرا" سے مشتق ہے جس کے معنی "جمع کرنا" ہیں اس میں سورتوں کو باہم جمع کیا گیا ہے اسی لیے قرآن کہتے ہیں۔ بقولے اس قرآن میں زمانہ ماسبق کی نازل شدہ آسمانی کتابوں کے نتائج جمع کیے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نام رکھنے کی وجہ اس کا تمام اقسامِ علوم کو اپنے اندر فراہم کر لینا ہے۔

۵۔ لفظ قرآن "مَا قَرَأَت النَاقَةُ سلاَقَطَ" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اونٹنی نے کبھی بچہ نہیں ڈالا یعنی وہ کبھی گابھن ہی نہیں ہوئی اور قرآن پڑھنے والا اس کے الفاظ کو اپنے منہ میں اٹھا کر پھر باہر نکال دیتا ہے اسی لیے اس کا نام قرآن رکھا گیا۔

۶۔ لفظ قرآن اسم عَلَم ہے جو کہ غیر مشتق ہے اور کلامِ الٰہی کے لیے خاص ہے بالکل اسی طرح جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی کتاب

"توریت" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی کتاب "انجیل"۔

میرے خیال میں مذکورہ آخری قول مناسب معلوم ہوتا ہے اور یہ نام خود خدا نے اس کو دیا۔ سورہ رعد کی آیت نمبر ۳۱ میں اس کتاب کے لیے لفظ قرآن استعمال ہوا کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے اپنے لیے چار درجن سے زائد نام بتائے ہیں اگرچہ کچھ کے بارے میں مجھے تامل ہے:

۱۔۲:	کتاب اور مبین	سورۃ الدخان آیت نمبر ۲
۳۔۴:	قرآن اور کریم	سورۃ الواقعہ آیت نمبر ۷۷
۵:	کلام	سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶
۶:	نور	سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۴
۷۔۸:	ھدیٰ اور رحمت	سورۃ یونس آیت نمبر ۵۷
۹:	فرقان	سورۃ الفرقان آیت نمبر ۱
۱۰:	شفاء	سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۲
۱۱:	موعظہ	سورۃ یونس آیت نمبر ۵۷
۱۲۔۱۳:	ذکر اور مبارک	سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۵۰
۱۴:	علی	سورۃ الزخرف آیت نمبر ۴
۱۵:	حکمہ	سورۃ القمر آیت نمبر ۵
۱۶:	حکیم	سورۃ یونس آیت نمبر ۱
۱۷:	مھیمن	سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۸
۱۸:	حبل	سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳
۱۹:	صراط مستقیم	سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۵۳
۲۰:	قیم	سورۃ الکھف آیت نمبر ۲
۲۱۔۲۲:	قول اور فصل	سورۃ الطارق آیت نمبر ۱۳
۲۳:	نبا عظیم	سورۃ النبا آیت نمبر ۲
۲۴:	تنزیل	سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۹۲
۲۵:	روح	سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۵۲
۲۶:	وحی	سورۃ الانبیا آیت نمبر ۴۵

۲۷:	بصائر	الاعراف آیت نمبر ۲۰۳
۲۸:	بیان	سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۳۸
۲۹:	علم	سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۳۵
۳۰:	حق	سورۃ آل عمران آیت نمبر ۶۲
۳۱:	ھادی	سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹
۳۲:	عجب	سورۃ الجن آیت نمبر ۱
۳۳:	تذکرہ	سورۃ الحاقہ آیت نمبر ۴۸
۳۴:	عروۃالوثقیٰ	سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۶
۳۵:	صدق	سورۃ الزمر آیت نمبر ۳۳
۳۶:	عدل	سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۱۵
۳۷:	امر	سورۃ الطلاق آیت نمبر ۵
۳۸:	منادی	سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹۳
۳۹:	بشریٰ	سورۃ البقرہ آیت نمبر ۹۷
۴۰:	مجید	سورۃ البروج آیت نمبر ۲۲
۴۱:	زبور	سورۃ الانبیا آیت نمبر ۱۰۵
۴۲:	بشیر	سورۃ فصلت آیت نمبر ۳
۴۳:	نذیر	سورۃ فصلت آیت نمبر ۳
۴۴:	عزیز	سورۃ فصلت آیت نمبر ۴۱
۴۵:	بلاغ	سورۃ ابراھیم آیت نمبر ۵۲
۴۶۔۴۷۔	صحف اور مکرم اور	سورۃ عبس آیت نمبر ۱۳
۴۸۔۴۹	مرفوع اور مطہر	
۵۰۔	منیر	سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۸۴

نزول قرآن:

نزولِ قرآن کی کیفیت کیا تھی؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ قرآن کے نازل کرنے کے متعلق "انزال" اور "تنزیل" دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان دونوں میں معنوی فرق یہ ہے کہ تنزیل کے معنی

متفرق طور پر وقتاً فوقتاً نازل کرنے کے ہیں جب کہ انزال کا لفظ ایک ہی دفعہ مکمل طور پر کسی چیز کو نازل کرنے پر بھی بولا جاتا ہے یعنی انزال کا لفظ عام ہے جو کہ تنزیل کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے اور آیت کریمہ "لو انزلنا هذا القرآن علیٰ جبل" میں "نزّلنا" کی بجائے "اَنزلنا" کا لفظ لا کر متنبہ کیا ہے کہ جو کتاب ہم نے تم پر مختلف اوقات میں نازل کی ہے اگر اسے پہاڑ پر ایک دفعہ بھی نازل کر دیتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے وہ دبا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ جو کلام جھوٹ پر مبنی ہو یا باطل قوتوں کی طرف سے ہو اس کے متعلق صرف "تنزُّل" کا لفظ استعمال ہوتا ہے چنانچہ آیت ہے کہ

"وَمَا تَنَزَّلَت بِهِ الشَّيَاطِين"

بہر حال جہاں تک نزولِ قرآن کا تعلق ہے کہ کس طرح اور کس انداز میں ہوا تو اس کے بارے میں بنا بر اظہر تین اقوال زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ قرآن پہلے مکمل آسمانِ دنیا پر شبِ قدر میں یکجا اترا پھر اس کا نزول واقعات کے لحاظ سے بتفریق ہوتا رہا یعنی وہ یکے بعد دیگرے ٹھہر ٹھہر کر اور آہستگی کے ساتھ اترتا رہا۔

۲۔ ہر سال شب قدر میں قرآن کا اتنا حصہ لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا جاتا رہا جس کے نازل کیے جانے کی عوام الناس کو ضرورت پیش آتی تھی اور پھر اس کو روک دیا جاتا اس طرح یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے لے کر انتقال تک جاری رہا۔

۳۔ قرآن کا لوح محفوظ سے اتارا جانا شب قدر سے شروع ہوا تھا اور پھر اس کے بعد وہ تمام مختلف اوقات میں آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کو پروردگار نے ایک مرتبہ مکمل اپنے حبیب ﷺ پر نازل کیا اور دوسری مرتبہ اپنے حبیب ﷺ ہی پر بتفریق نازل فرمایا۔ اس سے قبل کی تمام آسمانی کتب بنا بر مشہور ایک ہی دفعہ مکمل روئے زمین پر نازل کی گئی تھیں مگر خدا نے اس کتاب قرآن مجید اور اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں یہ فرق کر دیا کہ اس کو دو مرتبے عطا کیے اول یہ کہ ایک ہی دفعہ مکمل نازل کیا اور دوسرے یہ کہ بتفریق بھی نازل کیا تاکہ اس طرح اس

کتاب اور اس رسول ﷺ کی عزت و عظمت دو بالا ہو جائے کہ جس پر یہ کتاب نازل ہوئی بنابر اظہر قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا شب قدر پر آگے بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ

قرآن کی فصاحت و بلاغت

قرآن مجید بلحاظ فصاحت و بلاغت معجزہ ہے نیز مخفی نہیں کہ پوری دنیا میں اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا اور قرآن مجید ان ہی کی فصاحت و بلاغت کے غرور کو خاک میں ملانے کے لیے نازل کیا گیا جس میں مکمل کامیابی بھی ہوئی۔ یہ عربی کی فصاحت و بلاغت ہی ہے کہ ایک لفظ دو متضاد معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت ہے کہ

"یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء"

"قروء" جمع ہے "قرء" کی اور یہ لفظ طہر اور حیض دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ بلاغت کا لفظ دو طرح بولا جاتا ہے ایک یہ کہ وہ کلام بذاتہ بلیغ ہو اور اس کے لیے اوصاف ثلاثہ کا جامع ہونا شرط ہے جو کہ یہ ہیں:

۱۔ وضع لغت کے اعتبار سے درست ہو

۲۔ مقصود کے مطابق ہو

۳۔ فی الواقع سچی بھی ہو

اگر مذکورہ اوصاف میں کسی ایک وصف میں بھی کمی ہو تو بلاغت میں نقص رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ متکلم اور مخاطب کے اعتبار سے بلیغ ہو یعنی کہنے والا اپنے مافی الضمیر کو اس خوبی سے ادا کرے کہ مخاطب کو اس کا قائل ہونا پڑے نیز ایسا کلام جو اہل زبان کے روزمرہ کے موافق، تنافر حروف، غرابت، مخالفت قیاس، لغوی و نحوی اور تعقید اور ضعف تالیف جیسے عیوب سے پاک ہو فصیح کہلاتا ہے اور کلام کے اس وصف کو فصاحت کہتے ہیں گویا کہ فصاحت اور بلاغت قریباً ہم مفہوم ہیں۔

یہ قرآن کی عجیب خوبی ہے کہ اگر کوئی عربی دان قرآن کو سمجھنا چاہے تو بآسانی سمجھ سکتا ہے اور اگر غور و فکر کرنے پر آجائے تو عربی لغت بھی بات سمجھانے میں تشنہ رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات عربی صحابہ کرام بھی

"خیط الاسود" اور خیط الابیض" جیسے الفاظ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔
قرآن اپنے آپ کو بطور معجزہ پیش کرتے ہوئے دعویٰ کرتا ہے کہ
"قُل لَئِنِ اجتَمَعَتِ الانسُ وَالجِنّ عَلیٰ اَن یَاتُوا بِمِثلِ ھٰذَا القُراٰنِ لاَ یَاتُونَ بِمِثلِہ وَ لَو کَانَ بَعضُھُم لِبَعضِ ظَھِیراً O"
(سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۸)
ترجمہ: "اے رسول! کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور سب جن اس پر اجماع کر لیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو اس کی مثل نہیں لا سکیں گے اور اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔"
اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وضع لغوی اور مقصود کے اعتبار سے اعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی صداقت میں بھی لاثانی ہے یہی وجہ ہے کہ کفار اپنی تمام تر علمی و ادبی صلاحیت استعمال کرکے بھی قرآن کی ایک آیت کا بھی جواب نہ لا سکے۔ قرآن نے اپنے اس جملے میں کیا خوب فصاحت و بلاغت دکھلائی کہ
"رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا ..."
(میرے پروردگار! ان دونوں پر (یعنی والدین پر) رحم فرما جس طرح انھوں نے میری پرورش کی جب کہ میں چھوٹا تھا)
یعنی تیری رحمت والدین پر ایسی ہی ہو جیسی انھوں نے میری پرورش کی پس جس انداز سے انھوں نے مجھے پروان چڑھایا اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما اگر انھوں نے میری تربیت میں کوتاہی برتی تو بھی ویسے ہی معاملہ ان سے رکھیو۔ (مذکورہ قرآنی جملے سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے)
آج سو دو سو برس پہلے جو الفاظ اردو میں مستعمل تھے ان میں سے کچھ الفاظ متروک ہو گئے ہیں اور اب نہیں بولے جاتے یہی معاملہ فارسی اور بعض دوسری زبانوں کے ساتھ بھی ہے مگر چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی قرآن کا کوئی لفظ عربی ادب میں متروک نہیں ہوا یقیناً یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے۔
کیا قرآن میں غیر عربی الفاظ کا استعمال بھی ہوا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے کبھی عجمی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے بالخصوص بعض اسماء کے سلسلے میں۔

قرآن پڑھنے کی فضیلت اور اس کا ثواب

قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے کا ثواب محتاج بیان نہیں تمام شیعہ علماء متفق ہیں کہ کوئی ذکر تلاوت قرآن مجید سے زیادہ ثواب نہیں رکھتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام خدا (قرآن مجید) کو دوسروں کے کلام پر وہی فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جو خود ذات باری تعالیٰ کو مخلوقات پر ہے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان قرآن کی عظمت اور اس کی فضیلت میں لب کشائی اور قلم اٹھانے کی جسارت نہ کرے اور اسے ان حضرات کے سپرد کردے جو قرآن کے ہم پلہ اور علوم قرآنی میں ماہر ہیں کیوں کہ یہی ہستیاں سب سے زیادہ قرآن کی عظمت اور اس کی حقیقت سے آشنا ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن سے ان افراد کا تعلق یوں بیان فرماتے ہیں کہ

"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی و انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض"

(میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری عترت اور یہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میری پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں)

پس اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں جو قرآن کی فضیلت سے کماحقہ آگاہ ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہم انہیں کے اقوال پر اکتفاء کریں۔ قرآن پڑھنے کی فضیلت اور اس کے ثواب میں بہت سی روایات ہمارے آئمہ سے منقول ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو دس آیتوں کی تلاوت کرے اس کا نام غافلین میں نہیں لکھا جائے گا اور جو شخص پچاس آیتوں کی تلاوت کرے اس کا نام ذاکرین میں لکھا جائے گا اور جو شخص سو آیتوں کی تلاوت کرے اس کا نام قانتین میں لکھا جائے گا اور جو شخص دو سو آیتوں کی تلاوت کرے اس کا نام خاشعین میں لکھا جائے گا اور جو شخص تین سو آیتوں کی تلاوت کرے اس کا نام سعادت مندوں میں لکھا جائے گا جو شخص پانچ سو آیتوں کی تلاوت کرے اس کا نام عبادت اور پرستشِ خدا کی کوشش کرنے

والوں میں لکھا جائے گا اور جو شخص ہزار آیتوں کی تلاوت کرے وہ ایسا ہے جیسے اس نے کثیر مقدار میں سونا راہِ خدا میں دے دیا ہو۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"قرآن خدا کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک عہد و میثاق ہے مسلمان کو چاہیے کہ وہ عہد نامہ غور سے پڑھے اور روزانہ پچاس آیات کی تلاوت ضرور کرے۔"

بعض روایات کے مطابق قرآن کو دیکھ کر پڑھنا زبانی اور از بر تلاوت کرنے سے بہتر ہے بشرطیکہ حالتِ نماز میں نہ ہو۔ اسحاق بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میری جان آپ پر نثار ہو میں نے قرآن حفظ کر لیا ہے اور زبانی ہی اس کی تلاوت کرتا ہوں یہی بہتر ہے یا یہ کہ قرآن دیکھ کر تلاوت کروں؟ امام نے فرمایا کہ

"قرآن دیکھ کر تلاوت کیا کرو یہ بہتر ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قرآن دیکھنا عبادت ہے جو شخص قرآن دیکھ کے اس کی تلاوت کرے اس کی آنکھ مستفید و مستفیض ہوتی ہے اور اس کے والدین کے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔"

وہ گھر جس میں قرآن کی تلاوت اور ذکر خدا کیا جاتا ہو اس کی برکتوں میں اضافہ ہوتا ہے اس میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے شیاطین اس گھر کو ترک کر دیتے ہیں اور یہ گھر آسمان والوں کو روشن نظر آتا ہے جس طرح آسمان کے ستارے اہل زمین کو نور بخشتے ہیں اور وہ گھر جس میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی اور ذکر خدا نہیں ہوتا اس میں برکت کم ہوتی ہے فرشتے اسے ترک کر دیتے ہیں اور ان میں شیاطین کی آمد و رفت ہو جاتی ہے یہی آئمہ علیہم السلام کے اقوال کا خلاصہ ہے۔

خداوند عالم ہم سب کو قرآن مجید صحیح پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحق محمد ﷺ و آل محمد

شب قدر اور اس کی فضیلت:

قرآن مجید میں پورا سورہ شب قدر کے حوالے سے محفوظ ہے جس کو

"سورۃ القدر" کہا جاتا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ

انا انزلنه فی لیلة القدرO وما ادرک ما لیلة القدرO لیلة القدر خیر من الف شهرO تنزل الملئکة والروح فیها باذن ربهم من کل امرO سلم هی حتٰی مطلع الفجرO"

(بے شک ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا اور تمھیں کیا معلوم شب قدر کیا ہے شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس شب میں فرشتے اور روح اپنے رب کی اجازت سے نازل ہوتے ہیں ہر امر لے کر یہ (رات) سلامتی ہی سلامتی ہے یہاں تک کہ صبح ہو جائے)

شب قدر کون سی شب ہے؟ اس میں علمائے اسلام میں اختلاف ہے۔ علماء نے اپنی اپنی علمی بساط کے مطابق اس پر تبصرے کیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔:

۱۔ شب قدر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک محدود تھی اس کے بعد اس کا حکم جاتا رہا۔

۲۔ تمام سال کسی بھی رات اچانک شب قدر آتی ہے کوئی دن یا مہینہ مخصوص نہیں۔

۳۔ شعبان کی پندرھویں شب "شب قدر" ہے۔

۴۔ اکثر کہتے ہیں کہ شب قدر رمضان المبارک میں آتی ہے۔ بعض کے مطابق پہلی رمضان، بعضے سترھویں ماہ رمضان اور بعض ستائیسویں ماہ رمضان کی شب کو شب قدر کہتے ہیں اس پر ہمارے یہاں کے اکثر سنی افراد کا مدار ہے۔

۵۔ اگر رمضان المبارک کا مہینہ انتیس دن کا ہو تو تیئسویں شب اور اگر پورے تیس دن کا ہو تو ستائیسویں شب "شب قدر" ہے۔

۶۔ شب قدر رمضان کی انیسویں، اکیسویں اور تیئسویں شب میں سے کسی ایک شب پر منحصر ہے مگر تاکید تیئسویں شب کے بارے میں زیادہ ہے اسی پر ہمارے زمانے کے شیعہ اثنا عشری حضرات کا عمل ہے۔

۷۔ شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرے کی کسی طاق رات میں

مفسر ہے یہ قول بھی مشہور ہے۔
میں کہتا ہوں کہ مومن اس بحث میں نہیں جاتا کہ کون سی شب "شب قدر" ہے کیوں کہ اس کا تو ہر دن "یوم عاشور" اور ہر رات "شب قدر" ہوتی ہے جس رات بھی بندہ اپنے آپ کو خدا سے نزدیک سمجھے گویا کہ اس کے لیے وہی شب قدر ہے۔
خدا سورۃ القدر میں ارشاد فرماتا ہے کہ
"تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر ..."
(اس شب میں فرشتے اور روح امر لے کر اپنے رب کے اذن سے نازل ہوتے ہیں)
اب یہ فرشتے کس پر نازل ہوتے ہیں؟ کیا فرشتے "امر" زمین پر ایسے ہی پھینک کر چلے جاتے ہیں؟ پس جب تک مذکورہ آیت کا حکم سلامت ہے ماننا پڑے گا کہ کوئی نہ کوئی "صاحب الامر" موجود ہے جس پر فرشتے اور روح امر لے کر نازل ہوتے ہیں اور یقیناً وہ میرے بارہویں امام حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔
شیعہ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان کے آخری دس دن میں اپنے بستر کو لپیٹ کر رکھ دیتے تھے اور کمر عبادت کے لیے مضبوط باندھ لیتے تھے اور تیئسویں رات اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے اور ان میں سے جو سو جاتا تھا ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالتے تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے گھر والوں میں سے کسی کو بھی اس رات نہیں سونے دیتی تھیں اور ان کی نیند کا انتظام دن میں کرتی تھیں تاکہ انہیں رات کو نیند نہ آئے آپ فرماتی تھیں کہ وہ شخص خیر سے محروم ہے جو آج کی رات عبادت سے محروم رہے۔ روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بہت سخت مریض تھے جب تیئسویں رات ماہ رمضان المبارک کی آئی تو آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مجھے اسی حالت میں مسجد لے چلو آپ اس رات صبح تک مسجد میں رہے۔
حضرت امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص شب قدر میں شب بیداری کرے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے خواہ وہ تعداد میں آسمان کے ستاروں اور وزن میں پہاڑوں اور مقدار میں دریاؤں کے برابر ہوں۔

قرآن کا کتابی شکل میں جمع ہونا:

قرآن مجید کو کتابی شکل میں کب اور کس نے مرتب کیا؟ کیا رسول اللہ ﷺ قرآن کو جمع کر کے کتابی شکل میں امت کو دے گئے تھے یا بعد میں آنے والوں نے اسے اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے یہ کام انجام دیا؟ اس مسئلہ میں علمائے اسلام متفقہ طور پر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائے چنانچہ علماء سے اس سلسلے میں چند اقوال منقول ہیں:

(۱) قرآن کو جمع اور کتابی شکل میں مرتب کر کے امتِ محمدیہ کو حضرت ابو بکر نے دیا کہ جب حضرت ابو بکر کو جنگ یمامہ میں صحابہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اسی وقت حضرت عمر حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کہ معرکہ یمامہ میں بہت سے قاریانِ قرآن مقتول ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ آئندہ معرکوں میں بھی وہ قتل ہوتے جائیں گے لہٰذا بہت سا قرآن ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہے گا میری رائے ہے کہ تم قرآن کے جمع کیے جانے کا حکم دو اس طرح قرآن کو کتابی شکل میں پہلی مرتبہ مرتب کیا گیا۔

(۲) قرآن تین مرتبہ کتابی شکل میں جمع کیا گیا پہلی دفعہ رسول اللہ ہی کے زمانے میں جمع ہوا، دوسری مرتبہ حضرت ابو بکر اور تیسری بار حضرت عثمان نے جمع کیا۔

(۳) سب سے پہلا شخص جس نے قرآن کو کتابی شکل میں جمع کیا وہ ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم تھا۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید سب سے پہلے کتابی شکل میں خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرتب کر کے امت کو دیا چونکہ اس دور میں کوئی پریس مشین نہیں تھی کہ ایک نسخے سے کئی کاپیاں تیار کر لی جائیں لہٰذا افراد کی کثرت اور نسخوں کی انتہائی قلت کے سبب دوسری مرتبہ صحابہ کرام سے بڑے پیمانے پر قرآن کی لکھائی کا کام حضرت ابو بکر اور پھر حضرت عثمان کے دور میں انجام پایا کہ جس کی بنیاد پر یہ گمان ہوا کہ قرآن مجید کتابی شکل میں رسول اللہ ﷺ کے بعد مرتب ہوا نیز حضرت عثمان نے عرب کے مختلف قبائل میں رائج قرآن مجید کی مختلف قرات کو ختم کر کے قبیلہ بنی قریش

کی طرز پر قرآن مجید کی قرأت کو تحریر کرا کے اس کے نسخوں کو دیگر علاقوں کی طرف ارسال کیا۔

یہ تاثر غلط ہے کہ قرآن کو کتابی شکل میں پہلے پہل حضرت ابو بکر نے مرتب کیا میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابو بکر کے مخالفین و دشمن کبھی اس نسخے کو تسلیم نہ کرتے اور آج امت محمدیہ میں کم از کم دو مختلف طرز کے نسخے تو ضرور رائج ہوتے۔ بالخصوص شیعہ حضرات ان کے جمع کردہ قرآن کو یکسر مسترد کر دیتے جب کہ آج شیعہ سنی قرآن میں کتابی شکل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جمع قرآن کا کام کسی مسلمہ شخصیت نے انجام دیا ہے اور یقیناً وہ ذات رسالت مآب ہی ہیں جنھوں نے قرآن کو موجودہ کتابی ترتیب کے اعتبار سے مرتب کیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے امت کو قرآن جمع کر کے نہیں دیا تو انھوں نے اپنے فرض میں کوتاہی کی (معاذ اللہ) اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو اپنی امت کو توریت دے کر جائیں کہ جن کی شریعت منسوخ بھی ہوئی ہے اور جب فخر موسیٰ علیہ السلام آئے تو وہ اپنی امت کو قرآن مرتب کر کے نہ دے جائے یہ کیسے ممکن ہے جب کہ ان کے بعد کسی نبی و کتاب کو نازل نہیں ہونا اور یہ شریعت قیامت تک نافذ العمل بھی ہے۔

میرا نظریہ یہی ہے کہ مولا علی علیہ السلام نے حضرت ابو بکر کے دور میں اپنا حاشیہ لگا قرآن پیش کیا تھا جس کو حکومت نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا پس وہ قرآن نسل در نسل آئمہ تک منتقل ہوتا رہا وہ بارہویں امام کے پاس ہے۔ بہر حال باب سوم میں ہم اس پر بھی بحث کریں گے۔

قرآن کو پاروں، سوروں اور آیتوں میں تقسیم کرنا:

قرآن مجید کو پاروں، سوروں اور آیتوں میں کس نے تقسیم کیا؟ میں یہی سمجھتا ہوں کہ قرآن کو پاروں، سوروں اور آیتوں میں خود رسول اللہ نے تقسیم کیا اگرچہ قرآن کے سوروں اور اس کی آیتوں کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف رہا کہ کتنی ہیں؟ جس کی بنیادی وجہ غالباً یہی ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ جس طرح بعض مسائل

شرعیہ میں ہوا۔

شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید تیس پاروں پر مشتمل ہے جب کہ مشہور یہی ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ایک قول میں سورۃ الانفال اور سورۃ البراۃ (سورہ توبہ) کو ایک ہی سورہ مانا گیا ہے کہ جس کے باعث ایک سو تیرہ سورتیں بیان کی گئی ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود نے چونکہ اپنے مصحف میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو نہیں لکھا اس لیے اس میں محض ایک سو بارہ سورتیں ہیں جب کہ ابی کے مصحف میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں اس لیے کہ انہوں نے آخر میں "الحفد" اور "الخلع" نامی دو سورتیں بڑھا دی ہیں نیز ایک رائے یہ بھی ہے کہ ابی کے مصحف میں ایک سو پندرہ سورتیں ہیں کیوں کہ اس میں سورۃ الفیل اور سورۃ القریش دونوں ایک ہی سورہ ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ضرور ہے کہ شیعہ علماء نے حالتِ نماز میں سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الشرح کو ایک ہی سورہ شمار کیا ہے اسی طرح سورۃ الفیل اور سورۃ قریش کو ایک ہی سورت شمار کیا جاتا ہے یعنی اگر کوئی نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ الضحیٰ پڑھے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سورۃ الشرح بھی فوراً پڑھے یہی حکم سورۃ الفیل اور سورۃ قریش کے بارے میں بھی ہے۔

علماء کی ایک جماعت سورۃ البقرہ سے سورۃ توبہ تک کی سورتوں کو "السبع الطوال" کے نام سے موسوم کرتی ہے اس کے بعد آنے والی سورتوں کو "المئین" کہتے ہیں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک سورہ تقریباً سو آیتوں پر مشتمل ہے۔ المئین کے بعد والی سورتوں کو "المثانی" کہا جاتا ہے کہ جن میں سو سے کم آیتیں ہیں۔ مفصّل ان سورتوں کو کہتے ہیں جو مثانی کے بعد واقع ہوں اور یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں۔

قرآن مجید میں کل کتنی آیات ہیں؟ آیتوں کے شمار میں اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل شام، اہل کوفہ اور اہل بصرہ کے درمیان اختلاف ہے اس سلسلے میں نمونے کے طور پر چند اقوال درج ذیل ہیں (یاد رہے کہ یہ اختلاف شیعہ سنی مسلک کی بنیاد پر نہیں خالصتاً علاقے کی بنیاد پر ہے):

۱۔ قرآن کی کل آیات چھ ہزار چھ سو سولہ ہیں۔
۲۔ قرآن کی آیتوں کی تعداد چھ ہزار ہے۔
۳۔ قرآن مجید میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔

تعدادِ آیات پر یہ اختلاف کیوں ہوا؟ ان شاء اللہ آگے اس پر بحث کریں گے۔

قرآن مجید میں کل چالیس سورتیں ایسی ہیں کہ جن کی آیتوں میں تعداد کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں نہ اجمالی اور نہ تفصیلی۔ وہ چالیس سورتیں یہ ہیں۔

(۱) سورہ یوسف	ایک سو گیارہ آیات
(۲) سورہ الحجر	ننانوے آیات
(۳) النحل	ایک سو اٹھائیس آیات
(۴) الفرقان	ستتر آیات
(۵) الاحزاب	تہتر آیات
(۶) الفتح	انتیس آیات
(۷) الحجرات	اٹھارہ آیات
(۸) التغابن	اٹھارہ آیات
(۹) قٓ	پینتالیس آیات
(۱۰) الذاریات	ساٹھ آیات
(۱۱) القمر	پچپن آیات
(۱۲) الحشر	چوبیس آیات
(۱۳) الممتحنہ	تیرہ آیات
(۱۴) الصف	چودہ آیات
(۱۵) الجمعہ	گیارہ آیات
(۱۶) المنافقون	گیارہ آیات
(۱۷) الضحیٰ	گیارہ آیات
(۱۸) العادیات	گیارہ آیات

(۱۹) التحریم	بارہ آیات
(۲۰) نٓ	باون آیات
(۲۱) الانسان	اکتیس آیات
(۲۲) المرسلات	پچاس آیات
(۲۳) التکویر	انتیس آیات
(۲۴) انفطار	انیس آیات
(۲۵) سبح	انیس آیات
(۲۶) التطفیف	چھتیس آیات
(۲۷) البروج	بائیس آیات
(۲۸) الغاشیہ	چھبیس آیات
(۲۹) البلد	بیس آیات
(۳۰) اللیل	اکیس آیات
(۳۱) الم نشرح	آٹھ آیات
(۳۲) التین	آٹھ آیات
(۳۳) التکاثر	آٹھ آیات
(۳۴) الہمزہ	نو آیات
(۳۵) الفیل	پانچ آیات
(۳۶) الفلق	پانچ آیات
(۳۷) تبت	پانچ آیات
(۳۸) الکافرون	چھ آیات
(۳۹) الکوثر	تین آیات
(۴۰) النصر	تین آیات

چار سورتیں ایسی ہیں کہ جن کی تعداد پر اتفاق ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ کون سی آیت کہاں ختم ہو رہی ہے؟ وہ چار سورتیں یہ ہیں:

(۱) سورۃ القصص: اٹھاسی آیات۔ اہل کوفہ نے "طٰسٓمٓ" کو ایک آیت شمار کیا ہے اور باقی علماء نے اس کو ایک آیت شمار نہیں کیا بلکہ اس کے بدلے "امۃ

من الناس یسقون" کو گنتا ہے۔

(۲) سورۃ العنکبوت: انہتر آیات اہل کوفہ نے "الم" کو ایک آیت گنتا ہے اہل بصرہ نے اس کے بجائے "مخلصین له الدین" کو اور اہل شام نے "و تقطعون السبیل" کو آیت شمار کیا ہے۔

(۳) سورۃ الجن: اٹھائیس آیات۔ اہل مکہ نے "لن یجیرنی من اللہ احد" کو اور باقی لوگوں نے اس کی جگہ پر "ولن اجد من دونہ ملتحدا" کو آیت شمار کیا ہے۔

(۴) سورۃ العصر: تین آیات۔ اہل مدینہ نے آخری آیت "و تواصوا بالحق۔۔۔" تیسری آیت شمار کیا ہے والعصر کو نہیں مگر باقی علماء نے اس کے برعکس کہا ہے۔

ستر سورتیں ایسی ہیں جن کی آیتوں میں تعداد کے اعتبار سے اختلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں بھی اختلاف ہے کہ کون سی آیت کہاں ختم ہو رہی ہے وہ ستر سورتیں یہ ہیں:

۱۔ سورۃ الفاتحہ: مشہور یہی ہے کہ اس کی آیتیں سات ہیں۔ اہل کوفہ اور اہل مکہ "انعمت علیہم" پر آیت کو مکمل نہیں سمجھتے اور اس کی جگہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو ایک آیت شمار کرتے ہیں۔ جب کہ باقی علماء کی رائے اس کے برعکس ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ اس سورہ کی اٹھ آیات ہیں انہوں نے "بسم اللہ الرحیم" اور "انعمت علیہم" دونوں کو الگ الگ آیت گنتا ہے۔ بعض افراد نے اس سورہ میں صرف چھ آیتیں مانی ہیں اور انہوں نے کہا کہ نہ تو "بسم اللہ الرحمان الرحیم" ایک مکمل آیت ہے اور نہ ہی "انعمت علیہم" پر آیت تمام ہو رہی ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس سورہ میں نو آیات ہیں یہ لوگ ان دونوں آیتوں کے علاوہ "ایاک نعبد" کو بھی ایک شمار کرتے ہیں۔ بہر حال زیادہ قوی نظریہ یہی ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں سات آیات ہیں۔

۲۔ سورۃ البقرہ: اس کی دوسو پچاسی بعض علماء کے نزدیک دوسو چھیاسی اور بقول بعض دوسو ستاسی آیات ہیں۔

۳۔ سورہ آل عمران: اس کی دوسو آیتیں ہیں مگر ایک قول کی بناء پر ایک آیت کم بھی بتائی جاتی ہے۔

۴۔ سورۃ النساء اس کی ایک سو پچھتر اور بقول بعض ایک سو چھتر اور ایک گروہ کے نزدیک ایک سو ستتر آیات ہیں۔

۵۔ سورۃ المائدہ: اس کی ایک سو بیس آیات ہیں مگر دو قول اور بھی ہیں کہ جن میں سے ایک قول کے مطابق دو اور دوسرے قول کے مطابق تین آیات زائد ہیں۔

۶۔ سورۃ الانعام: ایک سو پچھتر آیات ہیں۔ ایک جماعت ایک سو چھتر اور دوسری جماعت ایک سو ستتر آیات کی تعداد بھی بتاتی ہے۔

۷۔ سورۃ الاعراف: دو سو پانچ اور دو سو چھ آیات کے دو اقوال ہمیں ملتے ہیں۔

۸۔ سورۃ الانفال: اس کی آیات کی تعداد پچھتر بتائی گئی ہے جب کہ ایک گروہ نے چھتر اور دوسرے گروہ نے ستتر بھی لکھی ہیں۔

۹۔ سورۃ توبہ: اس میں ایک سو تیس آیات ہیں جبکہ ایک جماعت نے ایک سو انیتس بھی لکھا ہے۔

۱۰۔ سورہ یونس: اس کی آیات ایک سو دس اور بقول بعض ایک سو نو ہیں۔

۱۱۔ سورہ ہود: ایک سو اکیس، ایک سو بائیس اور ایک سو تیئس کے تین اقوال ہمیں ملتے ہیں۔

۱۲۔ سورہ الرعد: اس کی آیات تینتالیس بقولے چوالیس اور بعض کے نزدیک سینتالیس ہیں۔

۱۳۔ سورہ ابراہیم: اس کی آیات اکیاون یا باون یا چون یا پچپن بتائی گئی ہیں۔

۱۴۔ سورۃ الاسرا: ایک سو دس اور بعض علما کے نزدیک ایک سو گیارہ آیات ہیں۔

۱۵۔ سورۃ الکہف: ایک سو پانچ بقول بعض ایک سو چھ، کچھ افراد ایک سو دس اور ایک گروہ ایک سو گیارہ آیات کا قائل ہے۔

۱۶۔ سورۃ مریم: ایک جماعت کے نزدیک اس میں ننانوے اور دوسری جماعت کے نزدیک اٹھانوے آیات ہیں۔

۱۷۔ سورہ طٰہٰ: ایک سو بیتنس، بقول بعض ایک سو چونتیس، کچھ افراد ایک سو پینتیس اور ایک گروہ ایک سو چالیس آیات کا قائل ہے۔

۱۸۔ سورۃ الانبیاء: ایک سو گیارہ آیات ہیں جب کہ بعض ایک سو بارہ بتلاتے ہیں۔

۱۹۔ سورۃ الحج: چوہتر بقول بعض پچھتر کچھ چھہتر اور ایک جماعت اٹھتر آیات کی قائل ہے۔

۲۰۔ سورۃ قد افلح: ایک سو اٹھارہ اور بعض ایک سو انیس آیتوں کے قائل ہیں۔

۲۱۔ سورۃ النور: باسٹھ اور بقول بعض چونسٹھ آیات ہیں۔

۲۲۔ سورۃ الشعرا: دو سو چھبیس اور بقول دو سو ستائیس آیات ہیں۔

۲۳۔ سورۃ النمل: بیانوے، چورانوے اور پچیانوے کے تین اقوال آیات کی تعداد کے بارے میں ہمیں ملتے ہیں۔

۲۴۔ سورۃ الروم: ساٹھ آیتیں ہیں مگر ایک قول کی رو سے محض انسٹھ آیتیں ہیں۔

۲۵۔ سورہ لقمان: تینتس اور بقول بعض چونتیس آیات ہیں۔

۲۶۔ سورۃ السجدہ: تیس آیات ہیں۔ ایک قول کے مطابق انتیس ہیں۔

۲۷۔ سورۃ سبا: چون اور پچپن آیتوں کے دو اقوال ہمیں ملتے ہیں۔

۲۸۔ سورۃ فاطر: اس میں چھیالیس آیات ہیں جب کہ بعض افراد کے مطابق اس میں پینتالیس آیتیں ہیں۔

۲۹۔ سورہ یٰس: اس میں تراسی آیات ہیں جب کہ ایک قول کے مطابق بیاسی آیتیں ہیں۔

۳۰۔ الصافات: اس میں ایک سو اکیاسی آیتیں ہیں بقول بعض ایک سو بیاسی آیتیں ہیں۔

۳۱۔ سورہ صٓ: اس میں پچاسی آیات ہیں بقول بعض چھیاسی اور ایک گروہ کے نزدیک اٹھاسی آیتیں ہیں۔

۳۲۔ سورۃ الزمر: اس میں بہتر آیات ہیں اور بقول بعض پچھتر اور ایک جماعت کے نزدیک ستتر آیتیں ہیں۔

۳۳۔ سورۃ غافر: اس میں بیاسی آیات ہیں بعض چوراسی بعض پچاسی اور بعض چھیاسی آیتوں کے قائل ہیں۔

۳۴۔ سورہ فصلت: باون آیات ہیں نیز یہ بھی کہا گیا کہ ترپن اور چون آیات ہیں۔

۳۵۔ سورہ شوریٰ: اس میں پچاس آیتیں ہیں اور بقول بعض ترپن ۵۳ آیات ہیں۔

۳۶۔ سورۃ الزخرف: اس میں نواسی آیات ہیں اور بقول بعض اٹھاسی آیتیں ہیں۔

۳۷۔ سورۃ الدخان: چھپن آیات ہیں۔ ایک گروہ کے مطابق ستاون اور کچھ کے خیال میں انسٹھ آیتیں ہیں۔

۳۸۔ سورۃ الجاثیہ: اس میں چھتیس آیات ہیں اور بقول بعض سینتیس آیتیں ہیں۔

۳۹۔ سورۃ الاحقاف: چونتیس آیات ہیں اور بقول بعض پینتیس آیات ہیں۔

۴۰۔ سورۃ القتال: اس میں چالیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک انتالیس اور کچھ کے خیال میں اڑتیس ہیں۔

۴۱۔ سورۃ الطور: اس میں سینتالیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک اڑتالیس اور بقول بعض انچاس آیتیں ہیں۔

۴۲۔ سورۃ النجم: اس میں اکسٹھ آیات ہیں اور بقول بعض باسٹھ آیتیں ہیں۔

۴۳۔ سورۃ الرحمن: اس میں ستتر آیات ہیں اور بقول بعض چھہتر اور کچھ کے نزدیک اٹھہتر آیات ہیں۔

۴۴۔ سورۃ الواقعہ: ننانوے آیات ہیں اور بعض کے نزدیک ستانوے اور کچھ کے خیال میں چھیانوے آیات ہیں۔

۴۵۔ سورۃ الحدید: اس میں اٹھائیس آیتیں ہیں اور بقول بعض انتیس آیات ہیں۔

۴۶۔ سورہ قد سمع اللہ: اس میں بائیس آیات ہیں اور بقول بعض اکیس ہیں۔

۴۷۔ سورۃ الطلاق: اس میں گیارہ اور بقول بعض بارہ آیات ہیں۔
۴۸۔ سورۃ تبارک: اس میں تیس آیات ہیں اور بقول بعض اکتیس آیات ہیں۔
۴۹۔ سورۃ الحاقہ: اس میں اکیاون آیات ہیں اور بقول بعض باون آیتیں ہیں۔
۵۰۔ سورہ المعارج: اس میں چوالیس اور بقول بعض تینتالیس آیات ہیں۔
۵۱۔ سورہ نوح: اس میں تیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک انتیس اور کچھ کے خیال میں اٹھائیس آیتیں ہیں۔
۵۲۔ سورۃ المزمل: اس میں بیس آیات ہیں اور بقول بعض انیس اور اور ایک گروہ کے نزدیک اٹھارہ آیات ہیں۔
۵۳۔ سورۃ المدثر: اس میں پچپن اور بقول بعض چھپن آیات ہیں
۵۴۔ القیامہ: اس میں چالیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک انتالیس آیات ہیں۔
۵۵۔ سورہ عمّ: اس میں چالیس اور بقول بعض اکتالیس آیات ہیں۔
۵۶۔ سورۃ النازعات: اس میں پینتالیس اور بقول بعض چھیالیس آیات ہیں۔
۵۷۔ سورہ عبس: اس میں چالیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک اکتالیس اور بقول بعض بیالیس آیات ہیں۔
۵۸۔ سورۃ الانشقاق: اس میں تیئس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک چوبیس اور ایک جماعت کے خیال میں پچیس آیات ہیں۔
۵۹۔ سورۃ الطارق: اس میں سترہ اور بقول بعض صرف سولہ آیات ہیں۔
۶۰۔ سورۃ الفجر: اس میں تیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک انتیس آیتیں ہیں جب کہ ایک گروہ کے خیال میں بتیس آیات ہیں۔
۶۱۔ سورۃ الشمس: اس میں پندرہ آیات ہیں بقول بعض سولہ آیات ہیں۔
۶۲۔ سورہ اقراء: اس میں بیس آیات ہیں اور بقول بعض انیس آیات ہیں۔
۶۳۔ سورۃ القدر: اس میں پانچ آیات ہیں اور بقول بعض آٹھ آیات ہیں۔
۶۴۔ سورہ لم یکن: اس میں آٹھ آیات ہیں جب کہ ایک قول کے مطابق نو آیات ہیں۔

۶۵۔ سورہ زلزلہ: اس میں نو اور بقول بعض آٹھ آیات ہیں۔
۶۶۔ سورہ القارعہ: اس سورہ میں آٹھ آیات ہیں اور بعض کے نزدیک دس
بعض کے خیال میں گیارہ آیات ہیں۔
۶۷۔ سورہ قریش: اس میں چار اور بقول بعض پانچ آیات ہیں۔
۶۸۔ سورہ ارایت: اس میں سات اور بقول بعض چھ آیتیں ہیں۔
۶۹۔ سورہ الاخلاص: اس میں چار اور بقول بعض پانچ آیات ہیں۔
۷۰۔ سورۃ الناس: اس میں سات اور بقول بعض چھ آیات ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سورہ توبہ کو سورہ برأت، سورہ بنی اسرائیل کو سورۃ الاسراء، سورہ العلق کو سورہ اقراء، سورۃ الماعون کو سورہ ارایت، سورۃ الاخلاص کو سورۃ التوحید، سورہ کافرون کو سورہ جحد، سورہ ابی لہب کو سورۃ المسد، سورہ البینہ کو سورہ لم یکن، سورۃ الاعلیٰ کو سورہ سبح، سورۃ الدھر کو سورۃ ھل اتیٰ اور سورۃ الانسان، سورۃ الفجر کو شیعہ ذاکرین سورۃ الحسین علیہ السلام، سورہ المجادلہ کو سورہ قد سمع اللہ، سورہ محمد کو سورہ القتال، سورۃ الفاتحہ کو سورۃ الحمد بھی کہتے ہیں نیز سورۃ غافر کو سورۃ مومن کا بھی نام دیا جاتا ہے۔

دلچسپ سوال یہ ہے کہ جب پوری امت متفق ہے کہ قرآن ایک ہی ہے تو پھر آیات کی تعداد میں اختلاف کیوں ہوا؟ آیات کی تعداد میں کمی بیشی کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قرآن کی مقدار میں کوئی اونچ نیچ ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ ہر علاقے سے متعلق افراد کا اپنا فہم ہے جیسے کہ اہل کوفہ نے یہ سمجھا کہ آیت "انعمت علیھم" پر ختم نہیں ہورہی (سورہ فاتحہ میں) اور اہل بصرہ نے یہی سمجھا کہ "انعمت علیھم" پر آیت ختم ہورہی ہے لہٰذا ہمارے برصغیر پاک وہند میں چھپنے والے قرآن مجید میں بعض مقامات پر حسب "۵" (پانچ) لکھا ہوا نظر آئے گا جس کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہاں اہل کوفہ آیت مکمل نہیں سمجھتے جب کہ دیگر علما اس مقام کو تکمیل آیت قرار دیتے ہیں نیز بعض اہل علم کے خیال میں اکثر مقامات پر حروف مقطعات ایک مکمل آیت کی حیثیت رکھتے ہیں اسی قسم کے اختلافات کے بنیاد پر آیات کی تعداد میں فرق ہوا اور یہ اختلافات فروعی حیثیت کے حامل ہیں اس لیئے اس پر کسی مکتب کو لعن طعن

کرنا میرے خیال میں معیوب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دور میں موقعہ آیت پر وقوف کی ہدایت کرتے تھے۔ حضور اکرم صحابہ کرام کو اوقاف کی تعلیم فرماتے تھے کہ کہاں ٹھہرنا ہے کہاں نہیں کہاں ملا کر پڑھنا ہے؟ یہ سب رسول اللہ کے ارشاد سے ہے مگر زبانی تعلیم تھی تحریر میں کوئی نشان نہ تھا۔ صحابہ کرام کے دور میں آیت کی علامت (∴) نقطے قرار پائے یہ آیت کے شروع میں لگائے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے عہد میں دس آیتوں کے بعد پانچ (۵) کا نشان لگایا گیا اور نقطے (∴) آیتوں کے اختتام پر لگائے گئے۔ ابوالاسود نے پہلی صدی ہجری میں آیت کا نشان گول دائرہ (O) مقرر کیا۔ ابتداء ہی میں تلاوت قرآن مجید میں مختلف قسم کے رموز واوقاف میں امتیاز کرنے کرنے کا کام شروع ہوگیا تھا مگر محمد بن طیفور الغزنوی متوفی ۵۶۰ھ المعروف بہ السجاوندی نے ان قواعد کو مزید وسعت دی پس اکثر اوقاف کی علامات سجاوندی کی ایجاد بتائی جاتی ہیں۔ اس نے حروف تہجی کا ایک حرف بطور علامت مقرر کردیا مثلاً وقف لازم کے لئے میم (م) وقف مطلق کے لئے طا(ط) وقف جائز کے لیے جیم (ج) اور وقف مجوز کے لئے زا (ز) ان حروف کے کیا مقاصد ہوتے ہیں اس پر ہم ان شاء اللہ علم تجوید کے ذیل میں آگے بحث کریں گے۔

کیا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" (جسے عام طور پر "بسملہ" کہا جاتا ہے)

ہر سورہ کی ایک آیت ہے؟ ہمارا نظریہ یہی ہے کہ یہ سوائے سورہ توبہ کے ہر سورہ کا ابتدائی حصہ ہے پس جس نے سورہ پڑھتے وقت اس کو نظر انداز کردیا اس نے سورہ کا ابتدائی جزو چھوڑ دیا اور اسے پورا سورہ پڑھنے کا ثواب نہ مل سکے گا۔

قرآن مجید میں مختلف قسم کی آیات ہیں:

۱: امر۔ کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے جیسے نماز

۲۔ نہی۔ جس میں کسی کام سے روکا جائے جیسے سور کے گوشت کا استعمال

۳۔ فضائل۔ جیسے نوافل و مستحبات

۴۔ ناسخ۔ وہ آیات جس میں کسی حکم کو حکم کردیا گیا ہو۔

۵۔ منسوخ: وہ آیات جس میں کسی عمل کو ناقابلِ عمل قرار دیا گیا ہو۔
۶۔ رخصت۔ وہ آیات جس میں کسی فعل کی اجازت بہ مجبوری دی گئی ہو
۷۔ خاص۔ وہ آیات جو کسی خاص فرد سے متعلق ہوں۔
۸۔ عام۔ وہ آیات جس کا حکم سب کے لئے ہو۔
۹۔ عبر۔ وہ آیات جن سے دوسروں کو عبرت ہو۔
۱۰۔ امثال۔ وہ آیات جس میں مثالیں بغرض اصلاح نفس بیان کی گی ہوں۔
۱۱۔ مرسل۔ وہ آیات جس میں کوئی قید نہ لگائی گئی ہو۔
۱۲۔ محکم۔ وہ آیات جن کا مفہوم صاف ہو اس پر آگے بحث کریں گے۔
۱۳۔ متشابہ۔ وہ آیات جو محتاج تاویل ہوں اس پر آگے بحث کریں گے۔
۱۴۔ محدود۔ وہ آیات جن میں احکام کسی شرط سے وابستہ ہوں۔
۱۵۔ مجمل۔ وہ آیات جن کی تفصیل ظاہر نہ ہو۔
۱۶۔ مبیّن۔ وہ آیات جن میں احکام کی تفصیل بتادی گئی ہو۔

سب سے مشکل اور اہم کام آیاتِ متشابہات کی تاویلیں ہیں ہمارے نظریہ کے مطابق صرف وہی تاویلیں قابلِ قبول ہیں جو معصومین علیہم السلام سے منقول ہیں۔

قرآن مجید سات منازل پر مشتمل ہے۔ منزل سے کیا مراد ہے؟ عام طور سے یہی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ جتنا قرآن ایک دن میں تلاوت کرتے تھے اسے ایک منزل قرار دیا گیا پس آپ سات دن میں قرآن ختم کرتے تھے اس لئے اس میں سات منزلیں قرار پائیں اگرچہ اس نظریہ کے بارے میں مجھے احتمال ہے مگر مشہور یہی ہے۔

یاد رہے کہ لفظ "آیت" کے معنی علامت ظاہرہ یعنی واضح علامت کے ہیں اور کبھی ہر اس کلام کو جو لفظی اعتبار سے دوسرے سے الگ ہو آیت کہدیا جاتا ہے اسی اعتبار سے سورت کے ایک حصہ کو آیت شمار کیا جاتا ہے جب کہ "سورُالمدینہ" کے معنی شہر پناہ کے ہیں اور سورۃ القرآن (قرآن کی سورت) یا تو سور المدینہ سے ماخوذ ہے کیونکہ سورہ بھی شہر پناہ کی طرح قرآن کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اس لئے انھیں سورۃ القرآن کہا جاتا ہے یا پھر سورہ بمعنیٰ مرتبہ سے

مشتق ہے۔

جس آیت پر رکوع ختم ہوا ہے اس کے بالمقابل حاشیہ پر ع کی علامت لکھی جاتی ہے۔ ع کی علامت کے اوپر نیچے اور پیٹ میں مختلف عدد لکھے جاتے ہیں بالائی عدد سورہ کا رکوع نمبر نیچے کا عدد پارے کا رکوع نمبر اور پیٹ کا ہندسہ یہ بتاتا ہے کہ اس رکوع میں کتنی آیات ہیں۔

قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب اور نقطے لگانا:

اسلامی مقدس کتاب قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب اور نقطے ابتدائی دور میں نہیں لگائے جاتے تھے یعنی رسول اللہ اور خلفائے ثلاثہ کے ادوار میں چونکہ اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا لہذا انھوں نے قرآن مجید پر اعراب و نقاط لگانا ضروری نہیں سمجھا البتہ قرآن جب عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہوا تو ضرورت محسوس کی گئی کہ اس پر اعراب اور نقطے لگا دیئے جائیں تاکہ پڑھنے میں کوئی خطا نہ کرے۔ یہ مسئلہ معرکتہ الآرا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب اور نقطے کس نے لگوائے؟ اور یہ کس کی ایجاد ہیں؟ اس سلسلے میں چند اقوال ہدیہ قارئین ہیں:

(۱) ابو الاسود دوئلی نے ۴۰ھ کے بعد کتابت میں حرکات کا اظہار نقاط کے ذریعہ کیا اور اس نے حرکات و تنوین بنائے۔ انہیں حضرت علی کا شاگرد کہا جاتا ہے

(۲) خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۸۶ھ کو حکم دیا کہ قرآن پر نقاط لگائے جائیں اس نے یہ حکم حجاج بن یوسف کو دیا۔ خلیفہ کے دور میں یہ کام نہیں ہوا اور اس کے بیٹے خلیفہ ولید نے حجاج کو تاکید کی لہٰذا حسن بصری، مالک بن دینار، راشد الحمادی، عاصم بن میمون الجعدی اور یحیٰی بن یعمر سمیت بعض دیگر افراد پر مشتمل ایک مجلس قائم کی گئی اور انھوں نے حروف شمار کیئے اور ربع نصف ثلث وغیرہ قائم کیے۔

(۳) ابو الاسود کے دو شاگرد نصر بن عاصم اور یحیٰی بن یعمر نے اپنے استاد کے نقاط میں اصلاح کرکے زیر زبر اور پیش ایجاد کیئے اور نقاط بنائے۔

(۴) سب سے پہلے قرآن پر نقطے یحیٰی بن یعمر نے لگائے یہ کام تقریباً ۷۵ھ

کو ہوا۔

(۶) خلیل بن احمد بصری نے ۱۷۰ھ کو ھمزہ کے لیے (ء) تشدید کے لئے (ّ) جزم کے لئے (ْ) اور مد کے لئے (ٓ) خطوط ایجاد کیئے۔

میں یہی سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب سب سے پہلے ابوالاسود نے لگوائے مگر اس نے قرآن کے صرف چند ہی مقامات پر اعراب لگانے کا کام انجام دیا تھا پس پورے قرآن مجید پر باقاعدہ سرکاری سطح پر اعراب حجاج ہی نے لگوائے۔ دنیا کے بعض مقامات پر ائمہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن مجید کے بعض حصے دیکھنے کا اتفاق مجھے ہوا۔ حضرت علی، حضرت امام حسن حضرت امام حسین، حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام علی رضا علیہم السلام کی طرف منسوب قرآن کی لکھی گئی آیات کے الفاظ پر اعراب مجھے نظر نہیں آئے چونکہ انھوں نے قرآن مجید اپنے یا اپنے خاص افراد کے لیئے تحریر کیا تھا اس لیئے انھوں نے ضروری نہیں سمجھا کہ اس پر اعراب بھی لگادیے جائیں۔

بنابر اظہر قرآن پہلے خطِ کوفی میں لکھا جاتا تھا اس طرزِ تحریر کی خصوصیت یہی سمجھی جاتی تھی کہ الفاظ پر نہ تو نقطے ہوں اور نہ ہی اعراب۔ سیاق و سباق سے آیات کی تلاوت کی جاتی تھی۔ اقویٰ یہی ہے کہ عبد الملک بن مروان کے دور میں باقاعدہ قرآن خطِ کوفی سے خطِ نسخ میں تبدیل ہوا اور فی الحال اسی خط کے طرز پر قرآن لکھا جاتا ہے۔

آیات محکمات اور متشابہات

خدا نے ارشاد فرمایا کہ

"ھو الذی انزل علیک الکتٰب منه اٰیٰت محکمٰت ھن ام الکتٰب و اخر متشٰبھٰت (سورہ آل عمران آیت نمبر ۷)

"اسی نے تم پر کتاب نازل کی اسی میں بعض آیات محکم ہیں اور وہی کتاب کی جڑ ہیں اور دوسری مختلف المفہوم ہیں"

علما کے اس سلسلے میں تین اقوال زیادہ مشہور ہیں:

(۱) پورا ہی قرآن محکم ہے۔

(۲) پورا ہی قرآن متشابہ ہے۔

(۳) قرآن کی تقسیم محکم اور متشابہ کی طرف کی جاتی ہے یعنی کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہ۔

بعض علماء نے محکم و متشابہ آیات کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کی آیات کے محکم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی خرابی اور اختلاف نہیں جب کہ متشابہ کا مدعا یہ ہے کہ قرآن کی آیات حق و صداقت اور اعجاز میں باہم ایک دوسرے کے متشابہ ہیں نیز مذکورہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ قرآن صرف محکم اور متشابہ ہی میں منحصر ہے۔ اس لیئے کہ اس میں کوئی طریقہ حصر کو ثابت کرنے کا نہیں پایا جاتا جب کہ خدا فرماتا ہے کہ

"لتبین للناس ما نزل الیھم"

بہر حال محکم اور متشابہ کے تعین کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

(۱) جس امر کی مراد صاف طور پر یا تاویل کے ذریعہ سے معلوم ہو اسے محکم کہتے ہیں اور جس چیز کا علم خدا نے اپنے ہی لیئے خاص کیا ہو جیسے قیامت کا قائم ہونا اسے متشابہ کہتے ہیں۔

(۲) جس چیز کے معنٰی واضح اور کھلے ہیں وہ محکم ہے اور جو اس کے برعکس ہے وہ متشابہ ہے۔

(۳) جس امر کی ایک ہی طرح تاویل ہو سکے وہ محکم ہے اور جس کی تاویل کئی وجوہ سے ممکن ہو متشابہ ہے۔

(۴) جس بات کے معنٰی عقل قبول کرے وہ محکم ہے اور جو امر اس کے خلاف ہو وہ متشابہ ہے۔

(۵) جو آیت مستقل بنفسہ ہے وہ محکم ہے اور جو چیز فہم معنٰی میں غیر کی محتاج ہو وہ متشابہ ہے۔

(۶) محکم اس کو کہتے ہیں کہ جس کی تاویل خود اس کی تنزیل ہے اور متشابہ وہ ہے بغیر تاویل سمجھ میں نہ آئے۔

(۷) جس کے الفاظ مکرر نہ آئے ہوں وہ محکم ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ آیت متشابہ ہے۔

(۸) محکم نام ہے فرائض، وعد اور وعید کا جب کہ متشابہ قصص اور امثال کو کہتے ہیں۔

(۹) محکمات وہ آیات جو منسوخ نہیں ہوئیں اور متشابہات وہ ہیں جو منسوخ ہو گئیں۔

(۱۰) محکم وہ آیات جن کا تعلق عمل سے ہے اور متشابہ وہ آیات کہ جن کا تعلق عقیدے سے ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ خدا نے قرآن کی آیتوں کو محکم اور متشابہ کی دو قسموں پر تقسیم کیا اور محکمات کی نسبت بتایا کہ وہ ام الکتاب ہیں کیونکہ متشابہات کی بازگشت انہیں کی طرف ہوتی ہے نیز جن کا مفہوم واضح ہو انہیں آیات کو محکمات کہا جاتا ہے اور جو محتاج تاویل ہوں انھیں متشابہات کہا جاتا ہے پھر بنا بر اظہر متشابہات کی تین اقسام ہیں:

(۱) متشابہ بلحاظ لفظ

(۲) متشابہ بلحاظ معنیٰ

(۳) متشابہ بلحاظ لفظ و معنیٰ

متشابہ بلحاظ لفظ کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) تشابہ جو الفاظ مفردہ میں ہو

(۲) تشابہ جو کلام مرکب میں ہو

تشابہ جو کلام مرکب میں ہو تین اقسام پر ہے:

(۱) تشابہ بوجہ اختصار

(۲) تشابہ بوجہ بسط کلام

(۳) تشابہ بوجہ تغیرات در ترتیب کلام

متشابہ بلحاظ معنیٰ جیسے صفات باری تعالیٰ اور احوال قیامت کہ یہ اوصاف نہ محسوس ہیں اور نہ محسوسات کی جنس سے ہیں اور جو چیز محسوس یا اس کی جنس سے نہ ہو اس کا تصور ہمارے لیئے ناممکن ہوتا ہے۔

متشابہ بلحاظ لفظ و معنیٰ کی پانچ اقسام بیان کی جاتی ہیں:

(۱) تشابہ بلحاظ کمیت یعنی کسی حکم کے عام یا خاص ہونے کے متعلق شبہ ہو۔
(۲) تشابہ بلحاظ کیفیت یعنی کسی حکم کے واجب یا مستحب ہونے میں شک ہو۔
(۳) تشابہ بلحاظ زمانہ یعنی کسی حکم کے ناسخ و منسوخ ہونے میں شبہ ہو۔
(۴) تشابہ بلحاظ مکان و اسباب یعنی رسم و رواج اور دور جاہلیت کی عادت سے واقفیت کا ہونا
(۵) تشابہ جو کسی فعل کے صحت و فساد کے شرائط کو نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہو جائے۔

محکم و متشابہات کی بحث کو ہم یہی ختم کر رہے ہیں ورنہ ہماری پوری کتاب اسی موضوع سے متعلق ہو جائے گی۔

مکی اور مدنی آیات:

مکی اور مدنی آیات سے کیا مراد ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے علماء کے چند نظریات حسب ذیل ہیں:

(۱) جو حصہ قرآن کا ہجرت سے پہلے نازل ہوا وہ مکی ہے اور ہجرت کے بعد جس قدر قرآن کا نزول ہوا وہ مدنی حصہ ہے۔ یہی قول زیادہ مشہور ہے۔

(۲) مکی آیات انھیں کہتے ہیں جن کا نزول مکہ میں ہو چلا ہے ہجرت کے بعد ہی کیوں نہ نازل ہوئی ہوں اور مدنی آیات سے مراد وہ قرآنی حصہ جو مدینہ میں نازل ہوا ہو۔ مکہ میں اس کے قرب وجوار کے مقامات مثلاً منیٰ عرفات اور حدیبیہ بھی داخل ہیں جب کہ مدینہ میں اس کے نزدیک والے علاقے جیسے بدر اور احد بھی شامل ہیں۔

(۳) مکی آیات سے مراد وہ حصہ ہے جس میں اہل مکہ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی وہ آیات ہیں جن میں خطاب اہل مدینہ سے ہے۔

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ مذکورہ نظریات میں کونسا نظریہ قوی ہے مگر احتمال یہی کہ کہ پہلا نظریہ زیادہ قابل توجہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جن آیات میں "یاایھاالذین آمنوا" کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے وہ مدنی آیات ہیں اور جن میں "یا ایھاالناس" کے ساتھ خطاب ہے وہ مکی

آیات ہیں نیز "یا بنی آدم" کے الفاظ بھی کسی آیت کے مکی ہونے پر استدلال کرتے ہیں یہ قاعدہ کثرت کی بنیاد پر کیا گیا ہے نہ کہ عموم کے لحاظ سے ورنہ اکثر مکی سورتوں میں "یاایھا الذین امنوا" بھی وارد ہوا ہے جیسے سورۃ الحج میں اسی طرح مدنی سورتوں میں "یاایھا الناس" کہہ کر بھی خطاب کیا گیا ہے جیسے سورہ البقرہ میں۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ قرآن کی جس آیت میں قوموں اور مختلف ادوار کا ذکر ہے وہ مکی آیات ہیں اور جس حصہ میں قرآن فرائض و سنتوں کو بیان کرتا ہے وہ مدنی آیات ہیں نیز سورہ بقرہ کے علاوہ جس جگہ بھی حضرت آدم اور ابلیس کا قصہ مذکور ہے وہ بھی مکی آیات ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ قاعدہ کثرت کی بناء پر قائم ہوا ہے نہ کہ عموم کی بنیاد پر بہر حال اتنا مجھے یقین ہے کہ لفظ "کلا" کبھی مدنی آیات میں نہیں آیا لہٰذا جہاں بھی یہ لفظ قرآن میں آئے بلاشک و شبہ ہم اس کو مکی آیت شمار کریں گے۔

مکی اور مدنی سوروں کا جائزہ:

کتنی سورتیں مکی ہیں اور کتنی مدنی؟ اس میں بھی اختلاف ہے چند آرا یہ ہیں:

۱۔ مدینہ میں صرف ستائیس سورتیں نازل ہوئیں باقی تمام قرآن مکہ میں اترا۔

۲۔ مدنی بیس سورتیں ہیں جبکہ بارہ سورتوں کے مدنی ہونے پر اختلاف ہے اور ان کے سوا جس قدر قرآن ہے سب مکی ہے۔

۳۔ اٹھائیس سورتیں مدنی ہیں باقی سب مکی۔

مندرجہ ذیل سورتوں میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہیں یا مدنی؟

(۱) سورۃ الفاتحہ

(۲) سورۃ النساء

(۳) سورہ یونس

(۴) سورہ رعد

(۵) سورۃ الحج

(۶) سورہ الفرقان

(۷) سورہ یٰسٓ

(۸) سورہ صٓ

(۹) سورہ محمد

(۱۰) سورہ حجرات

(۱۱) سورۃ الرحمٰن

(۱۲) سورۃ الحدید

(۱۳) سورۃ الصف

(۱۴) سورۃ الجمعہ

(۱۵) سورۃ التغابن

(۱۶) سورۃ الملک

(۱۷) سورۃ الانسان

(۱۸) سورۃ المطففین

(۱۹) سورۃ الاعلیٰ

(۲۰) سورۃ الفجر

(۲۱) سورۃ البلد

(۲۲) سورۃ اللیل

(۲۳) سورۃ القدر

(۲۴) سورۃ البینہ

(۲۵) سورۃ زلزلہ

(۲۶) سورۃ العادیات

(۲۷) سورۃ التکاثر

(۲۸) سورۃ الماعون

(۲۹) سورۃ الکوثر

(۳۰) سورۃ الاخلاص

(۳۱) سورۃ الفلق

(۳۲) سورۃ الناس

وہ سورتیں جن میں مکی اور مدنی دونوں آیات شامل ہیں میرے علم کے مطابق درج ذیل ہیں:

(۱) سورۃ البقرہ

(۲) سورۃ الانعام

(۳) سورۃ الاعراف

(۴) سورۃ الانفال

(۵) سورہ توبہ

(۶) سورہ یونس

(۷) سورہ ہود

(۸) سورہ یوسف

(۹) سورۃ الرعد

(۱۰) سورۃ ابراہیم

(۱۱) سورۃ الحجر

(۱۲) سورۃ النحل

(۱۳) سورۃ الاسرآ

(۱۴) سورۃ الکہف

(۱۵) سورہ مریم

(۱۶) سورہ طٰہٰ

(۱۷) سورۃ الانبیا

(۱۸) سورۃ الحج

(۱۹) سورۃ المومنون

(۲۰) سورۃ الفرقان

(۲۱) سورۃ الشعرا

(۲۲) سورۃ القصص

(۲۳) سورۃ العنکبوت

(۲۴) سورہ لقمان

(۲۵) سورۃ السجدہ
(۲۶) سورۃ سبا
(۲۷) سورہ یٰسٓ
(۲۸) سورہ الزمر
(۲۹) سورہ غافر
(۳۰) سورہ شوریٰ
(۳۱) سورہ الزخرف
(۳۲) سورۃ الجاثیہ
(۳۳) سورۃ الاحقاف
(۳۴) سورہ قٓ
(۳۵) سورۃ النجم
(۳۶) سورۃ القمر
(۳۷) سورۃ الواقعہ
(۳۸) سورۃ الحدید
(۳۹) سورۃ المجادلہ
(۴۰) سورہ التغابن
(۴۱) سورۃ التحریم
(۴۲) سورۃ الملک
(۴۳) سورۃ الرحمٰن
(۴۴) سورۃ القلم
(۴۵) سورۃ المزمل
(۴۶) سورۃ الانسان
(۴۷) سورۃ المرسلات
(۴۸) سورۃ المطففین
(۴۹) سورۃ البلد
(۵۰) سورۃ اللیل

درج ذیل سورتوں کو عام طور سے مدنی بتایا جاتا ہے:

(۱) سورۃ البقرہ
(۲) سورۃ آل عمران
(۳) سورۃ الانفال
(۴) سورۃ الاحزاب
(۵) سورۃ المائدہ
(۶) سورۃ الممتحنہ
(۷) سورۃ النساء
(۸) سورۃ الزلزال
(۹) سورۃ الحدید
(۱۰) سورۃ محمد
(۱۱) سورۃ الرعد
(۱۲) سورۃ الرحمن
(۱۳) سورۃ الانسان
(۱۴) سورۃ الطلاق
(۱۵) سورۃ البینہ
(۱۶) سورۃ الحشر
(۱۷) سورۃ النصر
(۱۸) سورۃ النور
(۱۹) سورۃ الحج
(۲۰) سورۃ المنافقون
(۲۱) سورۃ المجادلہ
(۲۲) سورۃ الحجرات
(۲۳) سورۃ التحریم
(۲۴) سورۃ الصف
(۲۵) سورۃ الجمعہ

(۲۶) سورۃ التغابن

(۲۷) سورۃ الفتح

(۲۸) سورۃ توبہ

میرے خیال میں یہ پیچیدہ مسئلہ ہے کہ کون سی سورت مدنی ہے اور کون سی مکی؟ کیونکہ کچھ سورے ایسے بھی ہیں کہ جن میں مکی و مدنی دونوں آیات شامل ہیں چونکہ ان میں اکثر آیات مدنی ہوتی ہیں لہذا بعض علماء نے ان کو مکی سورہ شمار کیا ہے اور جن سورتوں میں مدنی آیات زیادہ ہوتی ہیں انہیں بعض اہل علم مدنی سورہ شمار کرتے ہیں جیسے سورۃ بقرہ کو اس میں "فاعفوا واصفحوا" (آیت نمبر ۱۰۹) اور "لیس علیک ھداھم" (۲۷۲) کو مکی بتایا گیا ہے حالانکہ سورۃ بقرہ مدنی سورہ شمار کیا جاتا ہے جب کہ سورہ فاتحہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سورہ ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں نازل ہوا پس یہ مکی و مدنی دونوں حیثیت میں شامل کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت:

قرآن کے سب سے پہلے نازل ہونے والے حصہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جن میں چند یہ ہیں:

(۱) سب سے پہلے "اقرا باسم ربک" والا حصہ نازل ہوا۔ یہ قول عام طور پر مشہور بھی ہے اور صحیح بھی مانا جاتا ہے۔

(۲) سب سے پہلے سورہ "المدثر" نازل ہوا۔

(۳) سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کا نزول ہوا۔

(۴) سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بسملہ کو ایک مستقل قول قرار دینا مناسب نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیعہ علما بسملہ کو سورہ کا ایک ابتدائی حصہ شمار کرتے ہیں پس کسی سورہ کے نازل ہونے کے لیئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ بسم اللہ اس کے ساتھ نازل ہو لہذا سورہ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کے ساتھ ہی بسملہ نازل ہوئی نتیجہ کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کا نازل ہونے والا پہلا حصہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اقرا باسم ربک۔۔۔" ہی ہے جو کہ مکہ میں نازل ہوا۔

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت:

قرآن کا آخری نازل ہونے والا حصہ کون سا ہے؟ علمائے اسلام کے نظریات میں اختلاف ہے۔ اہم نظریات کچھ یوں ہیں:

(۱) سب سے آخر میں سورہ توبہ نازل ہوا۔

(۲) سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی جو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۸ ہے۔

(۳) قرآن میں سب سے آخر میں جو آیت نازل ہوئی وہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۱ ہے۔

(۴) قرآن میں سب سے آخر میں نازل ہونے والا آیت "الیوم اکملت لکم دینکم۔۔" ہے یہی قول شیعہ عوام میں مشہور ہے۔

(۵) سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت" لقد جاءکم رسول من انفسکم" ہے۔

(۶) سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت "سورۃ النصر" ہے۔

(۷) آیت "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم۔۔" سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

(۸) سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت" فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم۔۔" ہے۔

(۹) سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "قل لا اجد فیما اوحی الی محرما" ہے۔

(۱۰) قرآن کا آخری نازل ہونے والا حصہ" وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون۔۔" ہے۔

بعض علما اور شیعہ ذاکرین میں یہی قول زیادہ عام ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" ہے اور یہ آیت غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی میرا جھکاؤ بھی اسی جانب ہے اور یہ جھکاؤ گمان کی بنیاد پر ہے نہ کہ یقین کی بنا پر۔

اہل بیت رسول ﷺ کی شان میں نازل ہونے والی آیات:

اہل بیت رسول ﷺ کی شان میں کتنی آیات نازل ہوئیں؟ اس مسئلہ پر بحث کرنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کیا ازواج رسول بھی اہل بیت

میں شامل ہیں؟ اہل بیت کا لفظ عام اور خاص دونوں ہی معنیٰ میں استعمال ہوسکتا ہے عام معنی میں ہم ازواج کو اہل بیت میں شامل کریں گے قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلا کی زوجہ کو حضرت ابراہیم کے اہل بیت میں شامل کیا ہے سورہ ہود کی آیت نمبر ۷۳ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے مگر یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب بیوی نیک اور صالحہ ہو میرے پاس قرآن سے کوئی ایسی دلیل نہیں کہ جس کی بنیاد پر میں یہ کہہ سکوں کہ نبی کی بیوی خواہ نیک ہو یا بد اہل بیت میں داخل ہے نیز خاص معنی میں اہل بیت رسول سے مراد صرف وہی صاحبان عصمت لیے جاتے ہیں کہ جن کا تعلق رسول اللہ کے خاندان سے ہو اور اس سے مراد عموماً حضرت علی علیہ السلام حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام لیے جاتے ہیں۔ اکثر شیعہ حضرات اہل بیت رسول کو خاص معنی ہی میں استعمال کرتے ہیں۔

اس بات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ اہل بیت رسول کی شان میں قرآن میں کتنی آیات نازل ہوئی ہیں؟ سورہ کوثر اور سورہ دہر کو اہل بیت رسول کی شان میں نازل ہونے والے سورے سمجھے جاتے ہیں بعض افراد کے خیال میں سورۃ [illegible] کو امام حسین علیہ السلام کی شان میں نازل کیا گیا ہے اسی لیے اس کو سورۃ الحسین بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۷ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۵۵ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۰ کا آخری حصہ اور سورۃ المائدہ کا آیت نمبر ۶۷ کو عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئیں جب کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۳ کا آخری حصہ، سورۃ النسا کی آیت نمبر ۵۹ سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۲۹ اور سورۃ الفاطر کی آیت نمبر ۳۵ کو اہل بیت رسول کی شان میں نازل ہونے والی آیات خیال کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ صرف حضرت علی علیہ السلام ہی کی شان میں تقریباً تین سو آیات نازل ہوئیں میں پھر یہی کہوں گا کہ اہل بیت رسول کی شان میں نازل ہونے والی آیات کا صحیح تعین کرنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے لہذا میں یہی سمجھتا ہوں کہ کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اس بارے میں صحیح اعداد و شمار پیش کرنے سے قاصر ہے پس ہم اس بحث کو یہیں

ختم کرنے پر مجبور ہیں۔

سجدے والی آیات:

قرآن میں ایسی پندرہ آیات ہیں جن کے پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً خداوند عالم کی عظمت کے سامنے سجدہ کرنا چاہیے ان میں سے چار مقامات پر سجدہ واجب اور گیارہ مقامات پر مستحب ہے۔ قرآن کے واجب سجدے والی آیات یہ ہیں:

۱۔ پارہ نمبر ۲۱ سورہ سجدہ آیت نمبر ۱۵
۲۔ پارہ نمبر ۲۴ سورہ الٰم تنزیل آیت نمبر ۳۷
۳۔ پارہ نمبر ۲۷ سورہ نجم کی آخری آیت
۴۔ پارہ نمبر ۳۰ سورہ علق کی آخری آیت

مستحب سجدے والی آیات یہ ہیں:

۱۔ پارہ نمبر ۹ سورہ اعراف کی آخری آیت
۲۔ پارہ نمبر ۱۳ سورۂ رعد آیت نمبر ۱۵
۳۔ پارہ نمبر ۱۴ سورہ نحل آیت نمبر ۴۹
۴۔ پارہ نمبر ۱۵ سورہ اسراء آیت نمبر ۱۰۷
۵۔ پارہ نمبر ۱۶ سورہ مریم آیت نمبر ۵۸
۶۔ پارہ نمبر ۱۷ سورہ حج آیت نمبر ۱۸
۷۔ پارہ نمبر ۱۷ سورہ حج آیت نمبر ۷۷
۸۔ پارہ نمبر ۱۹ سورہ فرقان آیت نمبر ۶۰
۹۔ پارہ نمبر ۱۹ سورہ نمل آیت نمبر ۲۵
۱۰۔ پارہ ۲۳ سورہ صٓ آیت نمبر ۲۴
۱۱۔ پارہ نمبر ۳۰ سورہ انشقاق آیت نمبر ۲۱

آیت اللہ العظمیٰ منتظری کے فتویٰ کے مطابق بنابراحتیاط واجب قرآن کے واجب سجدہ میں کوئی ذکر کرنا چاہیے اگرچہ کوئی خاص ذکر ضروری نہیں نیز قرآن کے واجب سجدہ میں سجدہ کرنے والی جگہ غصبی نہ ہونا چاہیے اور اس کی پیشانی کی جگہ بنابراحتیاط واجب اس کے گھٹنوں اور پیر کی انگلیوں کی نوک

رکھنے کی جگہ سے ایک اینٹ کی اونچائی سے زیادہ بلند نہ ہو نیز وضو یا غسل سے ہونا، قبلہ رخ ہونا، شرم گاہ کو چھپانا نیز بدن اور پیشانی رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں اور بنا بر احتیاط واجب ساتوں اعضائے سجدہ کو زمین پر رکھنا چاہیے اور جس چیز پر سجدہ صحیح ہوتا ہے اس پر پیشانی رکھے یاد رکھیے کہ وہ سورہ پڑھنا جس میں سجدہ واجب ہے بنا بر احتیاط حرام ہے مجنب پر اور خود مجنب پر آیتِ سجدہ کے کسی حرف کا پڑھنا بلا شک و شبہ حرام ہے۔

خدا قرآن میں قسم کیوں کھاتا ہے؟

خداوند عالم نے قرآن میں مختلف مخلوقات کی قسم کھائی ہے جب کہ قسم اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے۔ مومن خدا کے قول کو بغیر قسم کھائے بھی قبول کرے گا جب کہ کافر کے لیے قسم کھانا فضول ہے کیوں کہ وہ کسی صورت بھی بات ماننے پر آمادہ نہ ہوگا تو پھر خدا نے قرآن میں قسم کیوں کھائی؟ یاد رکھیے کہ قرآن کا نزول عرب کی زبان میں ہوا ہے اور اہل عرب کا دستور ہے کہ جس وقت وہ کسی امر کی تاکید کا ارادہ کرتے ہیں تو اس وقت قسم کھایا کرتے ہیں نیز خدا کے قسم کھانے کے بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ جہاں خدا نے قسم کھائی ہے وہاں سے مضاف حذف کر دیا گیا ہے یعنی ان کی اصل "ورب التین ورب الزیتون" تھی۔

۲۔ اہل عرب جن کی تعظیم کرتے تھے ان کی قسم بھی کھایا کرتے تھے اس لیے قرآن نے قسم کھائی کیوں کہ یہ ان کی فصاحت و بلاغت کے جواب میں نازل ہوا۔

۳۔ مخلوقات کی قسم کھا کر ذہنِ انسانی کو اس جانب متوجہ کیا ہے کہ بغیر خالق کے مخلوق کا وجود محال ہے۔

ہمارے لیے کسی غیر خدا کے نام کی قسم کھانا جائز نہیں مگر اللہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھا سکتا ہے کیوں کہ جائز اور ناجائز کے احکامات ہمارے لیے ہیں خدا کے لیے نہیں وہ کسی کا پابند نہیں۔

قرآن میں کتنے انبیاء کا ذکر نام کے ساتھ ہے؟

میرے خیال میں بنا بر اظہر قرآن مجید میں پچیس انبیاء کے نام آئے ہیں:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام
۳۔ حضرت ادریس علیہ السلام
۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
۵۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام
۶۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام
۷۔ حضرت یعقوب علیہ السلام
۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام
۹۔ حضرت لوط علیہ السلام
۱۰۔ حضرت ہود علیہ السلام
۱۱۔ حضرت صالح علیہ السلام
۱۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام
۱۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
۱۴۔ حضرت ہارون علیہ السلام
۱۵۔ حضرت داؤد علیہ السلام
۱۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام
۱۷۔ حضرت ایوب علیہ السلام
۱۸۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام
۱۹۔ حضرت یونس علیہ السلام
۲۰۔ حضرت الیاس علیہ السلام
۲۱۔ حضرت الیسع علیہ السلام
۲۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام
۲۳۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام
۲۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۲۵۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت لقمان علیہ السلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ نبی تھے یا نہیں؟ ان کے نیک ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

قرآن میں دیگر مخلوقات کے نام:

قرآن میں حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل کے نام بھی آئے ہیں۔ بعض علماء کے خیال میں الرعد، برق، مالک، سجل، قعید، ذوالقرنین بھی فرشتے ہیں کہ جن کے نام قرآن نے لیے ہیں نیز ہاروت، ماروت اور روح کا شمار بھی ملائکہ میں کیا گیا ہے اس طرح کل گیارہ فرشتے ہوئے کہ جن کے نام قرآن میں آئے ہیں دیگر افراد میں کہ جن کے اسماء قرآن میں بیان ہوئے ہیں زید بن حارثہ، عمران، عزیر، تبع، سورہ غافر میں یوسف اور سورہ مریم کے آغاز میں یعقوب، تقی، مریم، قارون، جالوت، ہامان، بشریٰ، آزر شامل ہیں۔ جب کہ قرآن میں سوائے ابولہب کے کسی کی کنیت بیان نہیں ہوئی۔ "فرعون" شاہانِ مصر کا عام لقب ہے جو قرآن نے نقل کیا ہے۔

قرآن اور اس کا ترجمہ۔

کیا قرآن مجید کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کا ترجمہ کسی بھی زبان میں ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کا ترجمہ آسان عربی زبان میں کرنا بھی ناممکنات میں سے ہے کیوں کہ قرآن مجید کے الفاظ کی فصاحت و بلاغت کا نعم البدل کسی دوسری زبان میں تو کجا خود عربی زبان میں بھی نہیں۔

ہمارے یہاں عام طور سے "الحمد للہ رب العلمین O" کا ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "ہر تعریف خدا کے لیے جو کائنات کا پرورش کرنے والا ہے۔" اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ تعریف تو خود عربی لفظ ہے کہ جس کی منطق میں چار ہی اقسام ہیں۔ حد تام، حد ناقص، رسم تام، رسم ناقص اور یہ کسی کو حد میں لا کر محدود کر دیتی ہے نیز اگر خدا محدود ہو جائے تو خدا ہی نہ رہا پس حمد کا ترجمہ صرف اور صرف حمد ہی درست رہے گا اسی طرح ہمارے یہاں کے اردو مترجمین "ذالک الکتب لاریب فیہ" کا ترجمہ یہی کرتے ہیں کہ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی

شک نہیں" عموماً ریب کے معنی "شک" کیے جاتے ہیں حالانکہ شک خود عربی لفظ ہے۔ لفظ شک کا اثر ذہن اور اوراک تک محدود رہتا ہے اور ریب کا نتیجہ ذہنی شک کے علاوہ قلبی اضطراب بھی ہوتا ہے مثلاً ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ میں نے فلاں جگہ زمین پر ایک لکیر سی دیکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سانپ کی لکیر ہے آپ کہتے ہیں کہ مجھے اس میں شک ہے وہاں سانپ نہیں ہو سکتا آپ دیکھیں گے کہ اس شک کا تعلق آپ کے ذہن سے ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں دوسری طرف آپ رات کو اندھیرے میں اپنے کمرے میں سرسراہٹ سی محسوس کرتے ہیں جس سے آپ کو شک گزرتا ہے کہ کہیں یہ سانپ نہ ہو ظاہر ہے کہ اس سے آپ کو ایک پریشانی سی لاحق ہو جائے گی اور جب تک آپ اپنے شک کو رفع نہ کر لیں گے اطمینان سے سو نہیں سکیں گے اس قسم کے شک کے لیے ریب کا لفظ آتا ہے لہٰذا شک ریب کے مفہوم کو واضح نہیں کر سکتا پس قرآن کا ترجمہ کسی دوسری زبان یا آسان عربی میں ممکن ہی نہیں اگرچہ عوام الناس کو سمجھانے کے لیے کسی بھی انداز سے ترجمہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ یاد رکھیے کہ قرآن کا صرف ترجمہ پڑھنے سے روحانی فوائد حاصل نہ ہو سکیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو ذاتِ ختمی مرتبت اپنی صداقت یا اپنا کردار منوانے کے لیے قرآن کی محتاج ہے اور نہ ہی قرآن ذات رسالت مآبؐ کا کیوں کہ قرآن کا نزول نہیں ہوا تھا مگر عوام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مضبوط کردار کے قائل تھے اور آیاتِ الہیٰ کو بنفسہ مشرکین کے سامنے پیش کیا گیا اور وہ اس کا جواب نہ لا سکے۔

صفحہ نمبر ۱۲ سے ماخوذ

باب دوم
فہم القرآن
اور
اقوال معصومین علیہم السلام

قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے اقوال معصومین کا سہارا لینا ضروری ہے جب تک ان کے اقوال کو بنیاد نہیں بنایا جاتا قرآن فہمی کا دعویٰ ہی ثابت نہیں ہو سکتا۔ چہاردہ معصومین علیہم السلام جس طرح قرآن کے قانون کی تشریح کرنے کے مجاز تھے اور آپ کی تشریح سند و حجت تھی اسی طرح آپ تشریح کے بھی مجاز تھے اور آپ کی تشریح سند و حجت تھی۔

قرآن کے احکام و تعلیمات کی جو تشریح و تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قول و عمل سے کرتے تھے وہ آپ کے اپنے ذہن کی پیداوار نہ تھی بلکہ جو ذات پاک آپ ﷺ پر قرآن نازل کرتی تھی وہی آپ کو اس کا مطلب بھی سمجھاتی تھی اور اس کے وضاحت طلب امور کی وضاحت بھی کرتی تھی اسے ماننے سے کوئی ایسا شخص کیسے انکار کر سکتا ہے جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو۔ ارشاد ہوا کہ

۱۔ من یطع الرسول فقد اطاع الله ...(سورۃ النساء:۸۰)

۲۔ ... و ان تطیعوہ تهتدوا ....(سورۃ النور:۵۴)

۳۔ اولئک الذین هدی الله فبهدٰهم اقتده ....(سورۃ الانعام:۹۰)

مندرجہ بالا آیات کے حصوں کے ترجمے کچھ یوں ہیں کہ

۱۔ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی....

۲۔ ..... اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے.....

۳۔ یہ انبیاء وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی پس تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو.......

اب اگر ہم رسول اللہ کے پیروکار ہیں تو ہمارا کام یہ نہیں ہونا چاہیے کہ دو تین آیات لے کر خود اجتہاد کرنے بیٹھ جائیں بلکہ ہمیں لازماً یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جس رسول پر یہ آیات نازل ہوئیں اس نے ان کا منشا کیا سمجھا تھا اور اسے کس طرح عمل کا جامہ پہنایا تھا؟

ہمارے آئمہ علیہم السلام میں قرآن فہمی کا عنصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منتقل ہوا لہٰذا ان کے اقوال بھی ہمارے لیے ویسے ہی حجت ہیں

جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ قرآن نے بھی تین قسم کی شخصیات کی اطاعت کو ضروری قرار دیا۔ ارشاد ہوا کہ

"یا ایھاالذین امنوا اطیعوااللہ و اطیعوا الرسول واولی الامرمنکم (یعنی اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور (ان کی) جو تم میں صاحبانِ امر ہیں۔۔۔) (سورۃ النساء: ۵۹)

بنابرا ظہر اولی الامر سے مراد ہمارے آئمہ اثنا عشر ہیں کہ جو عصمت کی منزل پر ہیں اور اپنی خواہشات سے نہ کچھ کہتے ہیں اور نہ کچھ کرتے ہیں بلکہ یہ جو کچھ بھی کہتے اور کرتے ہیں رضائے الہیٰ کے تحت ہوتا ہے۔ مولا علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں کہ

"ولقد علم المستحفظون من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی لم اردّ علی اللہ ولا علیٰ رسولہ ساعۃ قط ...."

(ترجمہ) پیغمبر ﷺ کے وہ اصحاب جو (احکام شریعت کے) امین ٹھہرائے گئے تھے اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں نے کبھی ایک آن کے لیے بھی خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے سرتابی نہیں کی ....."

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمارے آئمہ علیہم السلام ہی ہیں جو قرآن فہمی میں کامل و اکمل ہیں اور وارثانِ قرآن بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ صحیفہ کاملہ کی دعائے ختم القرآن میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"الھم انک انزلتہ علیٰ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ مجملاً والھمتہ علم عجائبہ مکملاً و ورّثتنا علمہ، مفسّراً و فضّلتنا علیٰ من جھل علمہ"

مولا فرماتے ہیں کہ

"اے خدا تو نے اس قرآن کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اجمال کے طور پر اتارا اور اس کے عجائب و اسرار کا پورا پورا علم انہیں القا کیا اور اس کے علم تفصیلی کا ہمیں وارث قرار دیا اور جو اس کا علم نہیں رکھتے ان پر ہمیں فضیلت دی۔"

پس قرآن کو سمجھنے کے لیے ہمارے آئمہ کے اقوال حجت ہیں۔ آیت صحیح معنی میں اس وقت سمجھ میں آئے گی جب ہم معصومین علیہم السلام کے اقوال کا سہارا لیں گے مثلاً "علی الذین یطیقونہ فدیہ" کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ جو شخص ماہ رمضان میں بوجہ بیماری کے روزہ نہ رکھ سکے اور پھر ماہ مبارک کے گزر جانے کے بعد وہ تندرست ہو جائے مگر آئندہ ماہ رمضان تک اس نے پچھلی قضاء کے روزے نہیں رکھے تو اب اس پر ان کی قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی ہے یعنی ان روزوں کی قضا بھی رکھے اور ہر روزہ کے عوض ایک مُد طعام مومن مسکین کو صدقہ بھی دے اور اگر اس ماہ رمضان تک وہ مسلسل بیمار رہ جائے تو اس پر صرف فدیہ واجب ہے اور قضا واجب نہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس دار فانی سے گئے تھے تو فرما گئے تھے کہ

"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی"۔

کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب قرآن ہے اور دوسری میری عترت۔

مذکورہ حدیث کو بعض سنی علماء نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے مثلاً ابن حجر مکی نے "صواعق محرقہ" میں، وحید الزماں نے "لغات الحدیث" میں بہر حال قرآن اور اہل بیت دونوں ہی ہمارے لیے حجت ہیں قرآن کو سمجھنے کے لیے اہل بیت رسول ﷺ کے قول و عمل کا سہارا لینا ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمارے آئمہ علیہم السلام ہی ہیں جو قرآن فہمی میں کامل و اکمل ہیں اور وارثانِ قرآن بھی ہیں۔

صفحہ نمبر ۵۸ سے ماخوذ

باب سوّم

قرآن اور تحریف

تحریف کے کیا معنی ہے؟ لفظ "تحریف" عربی ہے جو کہ باب تفعیل کے وزن پر ہے کہ جس کا مادہ "حرف" ہے اور اس "حرف" کے کئی معنی ہیں جن میں سے عام یہ ہیں:

۱۔ کسی چیز کا کنارہ (حَرفُ الشئی کے معنی)

۲۔ وہ چیز جس میں تلخی اور حرارت ہو (حَرِف کے معنی)

۳۔ پھیرنا، موڑنا، کمانا (حَرفَ کے معنی)

۴۔ دبلی او نٹنی (حَرف کے معنی)

بہر حال "تحریف الکلام" کے عام معنی یہی ہیں کہ کلام کو اس کے موقع و محل سے پھیر دینا کہ اس میں دو احتمال پیدا ہو جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ لفظ تحریف متعدد معنی میں مشترک طور پر استعمال ہوتا ہے مثلاً

۱۔ کسی چیز کو اس کے اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر کسی دوسرے مقام پر رکھنے کو تحریف کہتے ہیں لہٰذا قرآن کے اصل مقصود کے خلاف تفسیر کرنے کی کوشش کرنا تحریف کے زمرے میں آتا ہے۔ اس قسم کی تحریف سے شریعت نے سخت منع فرمایا ہے اور شیعیت میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ اصل قرآن کو محفوظ سمجھتے ہوئے اس کے حروف و حرکات میں کمی و زیادتی کو تحریف کا نام دیا گیا ہمارا نظریہ یہی ہے کہ اس وقت جو قرآن اہل اسلام کے پاس ہے سب کا سب کلام الہیٰ ہے اور قرآن میں کوئی کمی و بیشی بلحاظ الفاظ واقع نہیں ہوئی۔

پس جو روایات بھی قرآن میں کمی و بیشی کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں انہیں ٹھکرا دینا چاہیے یا ان کی معقول تاویل کرنا چاہیے بعض شیعہ دشمن عناصر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ شیعہ حضرات کا قرآن مختلف ہے اور دلیل کے طور پر چند کتب کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں حالانکہ جو حوالے وہ پیش کرتے ہیں وہ ضعیف ہوتے ہیں اور شیعہ علماء ان روایات کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

ہم دنیا کو واضح طور پر بتا دینا چاہتے ہیں کہ قرآن پر فقہ جعفریہ کا دار و مدار ہے اس میں نہ تو کوئی کمی اور نقص ہے اور نہ کسی قسم کی کوئی زیادتی بلکہ یہ بالکل وہی قرآن ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا نیز اسی قرآن پر ہمارے آئمہ علیہم السلام اور ہمارے موجودہ مجتہدین کا عمل ہے۔ یہی قرآن مسائل شرعیہ کے چار مشہور بنیادی اصول قرآن، سنت، اجماع اور عقل میں سے ایک اہم ترین بنیادی اصل و اساس ہے۔ شیعہ حضرات نے ہمیشہ اسی موجودہ قرآن پر عمل کیا ہے اور کرتے ہیں اور اسی پر ان سب کا ایمان ہے جو بھی یہ کہے کہ شیعہ موجودہ قرآن کو تسلیم نہیں کرتے وہ اسلام کا دشمن ہے پس اس سے بچا جائے۔

قرآن اور سنی علماء:

ہمیشہ ہی سے بعض سنی حضرات یہ تاثر دیتے آرہے ہیں کہ شیعہ اس موجودہ قرآن میں کمی و بیشی کے قائل ہیں حالانکہ بعض سنی علماء اس قرآن میں کمی و بیشی کے قائل رہے ہیں۔ سنی حضرات نے اپنا دامن بچانے کے لیے شیعہ افراد پر الٹا الزام لگا دیا کہ جس کے لیے ہمارے یہاں ایک محاورہ مستعمل ہے کہ "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" نمونے کے طور پر چند اقوال مشہور و معروف سنی عالم علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" سے نقل کر رہا ہوں تاکہ شیعیت پر تحریفِ قرآن کا الزام لگانے والے اپنا چہرے خود اپنے آئینے میں دیکھ لیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی (کہ جن کی علمیت کو تمام سنی علماء بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں) لکھتے ہیں کہ

۱۔ ابن مسعود نے چونکہ اپنے مصحف میں معوذتین (سورہ فلق اور سورہ الناس) کو نہیں لکھا ہے اس لیے اس میں محض ایک سو بارہ سورتیں ہیں۔

۲۔ حضرت عمر نے آیت رجم پیش کی تو اسے (جمع قرآن کے موقع پر) نہیں لکھا کیوں کہ اس بارے میں تنہا عمر کے سوا اور کوئی شہادت بہم نہیں پہنچی۔

عبداللہ ابن مسعودؓ اور عمرؓ دونوں ہی کا مقام سنی علماء کے نزدیک بلند ہے۔ اب سنی عوام کیا فتویٰ دیتے ہیں ان دونوں افراد کے بارے میں کہ جن

کے نظریے کے مطابق یہ بات واضح ہے کہ قرآن میں کمی ہوئی ہے۔ ابن مسعودؓ کے مطابق سورہ فلق اور سورہ الناس قرآن نہیں۔ اور حضرت عمرؓ ایک ایسی آیت کو قرآن میں شامل کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں کہ جس کے بارے میں دیگر افراد کا کہنا یہی ہے کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں۔

اس بحث کا مقصد ہرگز قرآن کی عظمت کو مشکوک بنانا نہیں بلکہ سنی دوستوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ شیعیت پر تحریف قرآن کا الزام لگانے والے پہلے خود اپنے دامن میں جھانکے ان کا تو خود اپنا دامن داغدار ہے وہ شیعیت کو کس منہ سے مورد الزام ٹھہراتے ہیں بعض سنی علماء کی کوشش یہی رہی ہے کہ سنی نوجوانوں کو شیعیت کے قریب ہی نہ جانے دیا جائے لہٰذا وہ کبھی کسی مسئلہ کو زیر بحث لاتے ہیں تو کبھی کسی مسئلہ کو یہ مسئلہ بھی انہیں مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔

قرآن کے بارے میں شیعہ موٴقف:

ہمارا نظریہ یہی ہے کہ شک وشبہ کے وقت توقف کرنا ہلاکت میں پڑنے سے بہتر ہے ہر حق کے پیچھے ایک حقیقت ہوا کرتی ہے اور ہر حقیقت کے کچھ ار ہوتے ہیں۔ ہمارے آئمہ نے ہمیں یہی سکھایا کہ

"جو بات بھی کتاب خدا کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو کتاب خدا کے ںف ہو اسے ترک کردو"

ہمارے آئمہ علیہم السلام اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور اس پر اب ہمارا بھی ںان ویقین ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس ک ایسا قرآن موجود تھا جو سوروں کی تفسیر وتاویل سے مزین تھا اور حضرت وبکر کے دور حکومت میں اس قرآن کو مولا علی نے پیش کیا کہ جس کو حکام نے قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کی بنیادی وجہ غالباً یہی تھی کہ اس میں بطور تفسیر وتشریح بعض منافقین کے نام بھی مذکور تھے بعید نہیں کہ اس میں صاحبانِ حکومت کے بھی نام شامل ہوں لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ حکامِ وقت اس کو تسلیم کرتے پس یہ قرآن نسل در نسل ہمارے آئمہ میں منتقل ہوتا گیا

اور اس طرح یہ ہمارے بارہویں امام کے پاس پہنچا ممکن ہے کہ یہ وہی قرآن ہو جو ہمارے امام غار میں لے کر غائب ہوگئے کہ جیساکہ روایات میں آیا ہے۔ یاد رکھنے کے قابل ہے یہ بات کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیوہ یہ تھا کہ منافقین کو زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ شریک کرتے اور ان کی منافقت کو جسے حضور اکرم ﷺ بخوبی جانتے تھے راز میں رکھتے تھے لہٰذا ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ان منافقین کے ناموں کی قرآن میں واضح تصریح کر دی جائے بعید نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض منافقین کے ناموں کی نشاندہی فرمائی ہو کہ جس کو انہوں نے اپنے مصحف کے حاشیہ پر لکھ لیا۔

شیعہ حضرات کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا قرآن چالیس پاروں پر مشتمل تھا کہ جس کے دس پارے حضرت عائشہ کی بکری کھا گئی بالکل من گھڑت ہے ہم قرآن میں تیس پاروں ہی کے قائل ہیں جیساکہ ہم نقل کر آئے ہیں جو کوئی بھی موجودہ قرآن کے ایک لفظ کا بھی انکار جان بوجھ کر کرے وہ اسلام سے خارج ہے یہی بنا بر اقوئ شیعہ مؤقف ہے اس مؤقف میں کوئی تقیہ کا عنصر شامل نہیں۔

باب چہارم

علم تجوید

لفظ تجوید کے لغوی معنیٰ ستھرا یا کھرا کرنا کے ہیں البتہ اصطلاح قُراء میں حروف کو ان کے مخارج سے صفاتِ لازمہ و عارضہ کے ساتھ ادا کرنے کو تجوید کہا جاتا ہے۔ فن تجوید کا موضوع حروف تہجی ہے۔ فن تجوید کی غرض و غایت قرآن کا صحیح پڑھنا ہے۔ اس علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے اور جو شخص قرآن کو تجوید سے نہیں پڑھتا وہ گناہ گار ہے یاد رہے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ صفاتِ لازمہ

۲۔ صفات عارضہ

جو حرف کے لیے ہر وقت ضروری ہوں اور بغیر ان کے حرف ادا نہ ہو سکے مثلاً اگر دال میں صفت قلقلہ ادا نہ ہو تو دال ادا ہی نہ ہوگی اس کو صفات لازمہ کہتے ہیں جب کہ صفاتِ عارضہ سے مراد وہ صفات جو حرف کے لیے کبھی ہوں اور کبھی نہ ہوں ان کے بغیر بھی حرف ادا ہو سکتا ہے صرف حرف کی تحسین نہ رہے مثلاً "ر" پر اگر زیر ہے تو باریک اور اگر زبر یا پیش ہے تو پُر پڑھی جاتی ہے۔ ہم آگے اس پر بحث کریں گے یہ بات یاد رہے کہ تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے۔ اس پر بھی آگے بحث ہوگی۔

علم تجوید اور شیعہ علماء کا فتویٰ:

علم تجوید کا بنیادی مقصد قرآن کا صحیح پڑھنا ہے اس لیے شیعہ علماء کا فتویٰ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص حمد و سورہ کے کلمات میں سے کوئی ایک کلمہ نہ جانتا ہو یا جان بوجھ کر اسے چھوڑ دے یا ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف مثلاً "ض" کی جگہ "ظ" پڑھے یا جہاں زیر و زبر کے بغیر پڑھنا چاہیے وہاں زیر و زبر دے یا تشدید والے حرف کو تشدید کے ساتھ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوگی نیز اگر کوئی شخص کسی کلمہ کے زیر یا زبر کو نہ جانتا ہو تو اسے سیکھنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ ہمیشہ کسی ایسے کلمہ کو وقف کے ساتھ پڑھے جس کو وقف کے ساتھ پڑھنا جائز ہو تو اس کے زیر و زبر کو سیکھنا ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کلمہ کے بارے

میں یہ نہ جانتا ہو کہ وہ "س" سے ہے یا "ص" سے تو اسے سیکھنا چاہیے اور اگر ایسے کلمہ کو دو یا کئی طریقوں سے مثلاً "اھدنا الصراط المستقیم" میں لفظ مستقیم کو ایک مرتبہ "س" سے اور ایک مرتبہ "ص" سے پڑھے تو اس کی نماز بھی باطل ہوگی۔

اگر کسی کلمہ میں "واو" ہو اور "واو" سے پہلے والے حرف پر پیش ہو اور "واو" کے بعد والا حرف ہمزہ ہو مثلاً کلمہ "سُوء" تو بنا بر احتیاط واجب اس "واو" کو مد کے ساتھ پڑھنا چاہیے اسی طرح اگر کسی کلمہ میں "الف" ہو اور "الف" سے پہلے والے حرف پر زبر ہو اور "الف" کے بعد والا حرف "ہمزہ" ہو مثلاً "جاء" تو اس الف کو مد کے ساتھ پڑھنا چاہیے نیز اگر کسی کلمہ میں "ی" ہو اور "ی" سے پہلے والے حرف پر زیر ہو اور "ی" کے بعد والا حرف "ہمزہ" ہو مثلاً "جیٓ" تو اس "ی" کو مد کے ساتھ پڑھنا چاہیے اور اگر اس "واو"، "الف" اور "ی" کے بعد ہمزہ کے بجائے کوئی دوسرا ساکن حرف ہو یعنی اس پر زیر، زبر، پیش نہ ہو تب بھی بنا بر احتیاط ان تینوں حروف کو مد کے ساتھ پڑھنا چاہیے مثلاً "ولاالضالین" میں "الف" کے بعد "ل" ساکن ہے لہٰذا اس "الف" کو مد کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

بنا بر احتیاط نماز میں وقف بالحرکت اور وصل بالسکون نہ کرنا چاہیے وقف بالحرکت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کلمہ کے آخری حرف کو زیر، زبر یا پیش کے ساتھ پڑھے اور اس کلمہ اور اس کے بعد والے کلمہ کے درمیان فاصلہ کردے مثلاً "الرحمٰن الرحیم" کہتے وقت رحیم کی "میم" کو زیر کے ساتھ پڑھے اور پھر کچھ دیر رک کر "مالک یوم الدین" کہے اور وصل بالسکون کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ کے آخری حرف کو زیر، زبر یا پیش کے ساتھ نہ پڑھے اور اس کلمہ کو بعد والے کلمہ سے ملا دے مثلاً "الرحمٰن الرحیم" کی میم کو زیر دیے بغیر فوراً "مالک یوم الدین" کہہ دے۔

اصطلاحاتِ ضروریہ:

۱۔ حروف: الف سے یا (ی) تک تمام حروف ہیں جن کی تعداد انتیس ہے۔

۲۔ حروف متشابہ: جن کی شکل ملتی جلتی ہو صرف نقطے کا فرق ہو جیسے ب۔ ت وغیرہ

۳۔ حروف غیر متشابہ: جن کی شکل ایک دوسرے سے ملتی جلتی نہ ہو جیسے ب۔ ج وغیرہ

۴۔ حروف قریب الصوت: جن کی آواز دوسرے حرف سے ملتی ہو جیسے ت۔ ط وغیرہ

۵۔ حروف بعید الصوت: جن کی آواز دوسرے حرف سے نہ ملتی ہو جیسے ح۔ د۔ ج وغیرہ

۶۔ حروف معجمہ یا منقوطہ: نقطے والے حروف جیسے ب۔ ج وغیرہ

۷۔ حروف مہمل یا غیر منقوطہ: جن پر نقطہ نہ ہو جیسے ح۔ د۔ ر وغیرہ

۸۔ حروف فوقانی: جن کے اوپر نقطہ ہو جیسے ت۔ خ وغیرہ

۹۔ حروف تحتانی: جن کے نیچے نقطہ ہو مثلاً ب وغیرہ

۱۰۔ حروف متوسط: جن کے درمیان نقطہ ہو جیسے ج وغیرہ

۱۱۔ حروف حلقی: وہ حروف جو حلق سے ادا ہوتے ہیں ء۔ ہ۔ ع۔ ح۔ غ۔ خ۔

۱۲۔ حروف لہاتیہ: وہ حروف جو کوّے کے متصل زبان کی جڑ اور تالو سے ادا ہوں۔ ق۔ ک

۱۳۔ حروف شجریہ: وہ حروف جو وسط زبان اور مقابل کے تالو سے ادا ہوتے ہیں ج۔ ش۔ ی وغیرہ

۱۴۔ حافیہ: وہ حرف جو زبان کے بغلی کنارے سے نکلے۔ ض

۱۵۔ حروف طرفیہ یا ذلقیہ: وہ حروف جو زبان کے کنارے سے نکلتے ہیں۔ ل۔ ن۔ ر

۱۶۔ حروف نطعیہ: وہ حروف جو تالو کے اگلے حصّے سے نکلتے ہیں۔ ت۔ د۔ ط
تالو کے اگلے حصے کو نطع کہتے ہیں۔

۱۷۔ حروف لثویہ: ث۔ ذ۔ ظ۔ یہ حروف جن دانتوں کے سروں سے ادا ہوتے ہیں وہ دانت لثہ یعنی مسوڑھوں میں لگے ہوتے ہیں۔

۱۸۔ حروف اسلیتہ: وہ حروف جو زبان کی نوک سے ادا ہوتے ہیں۔ ز۔ س۔ ص

الآسلہ کے معنی زبان کی نوک۔

۱۹۔ حروف بحری: وہ حروف جو ہونٹوں کی تری سے نکلے جیسے ب

۲۰۔ حروف بری: جو حرف ہونٹوں کی خشکی سے نکلے جیسے م

۲۱۔ حروف شفویہ: جو حروف ہونٹوں سے ادا ہوں۔ ب۔ م۔ و۔ ف

۲۲۔ حروف مدہ یا ہوایہ: وہ حروف جو ہوا پر ختم ہوں الف۔ و۔ ی ساکن ما قبل حرکت موافق

۲۳۔ حروف لین: وہ حروف جو نرمی سے ادا ہوں۔ واؤ یا ساکن ماقبل مفتوح

۲۴۔ حروف متحد المخرج: وہ حروف جن کا مخرج ایک ہو جیسے ت۔ د۔ ط وغیرہ

۲۵۔ حروف مختلف المخرج: وہ حروف جن کے مخرج الگ الگ ہوں جیسے ب۔ ج

۲۶۔ حروف متحد المخرج و متحد الصفات: وہ حروف جن کا مخرج اور صفات ایک ہوں جیسے مَدَّ میں دال

۲۷۔ حروف مختلف الصفات اور مختلف المخارج: جن کے مخارج بھی جدا جدا اور صفات بھی جدا ہوں جیسے ث۔ ظا وغیرہ

۲۸۔ حروف متحد المخرج اور مختلف الصفات: وہ حروف جن کا مخرج تو ایک ہو مگر صفات الگ الگ ث۔ ظا وغیرہ

۲۹۔ حرکت: زیر زبر اور پیش کو کہتے ہیں۔

۳۰۔ متحرک: جس پر زیر، زبر اور پیش ہو

۳۱۔ فتحہ: زبر کو کہتے ہیں اور جس حروف پر فتحہ ہوا سے مفتوح کہتے ہیں

۳۲۔ کسرہ زیر کو کہتے ہیں اور جس حرف کے نیچے کسرہ ہوا سے مکسور کہتے ہیں۔

۳۳۔ ضمہ: پیش کو کہتے ہیں اور جس حرف پر ضمہ ہوا سے مضموم کہتے ہیں۔

۳۴۔ سکون: جزم کو کہتے ہیں اور جس حرف پر سکون ہوا سے ساکن کہتے ہیں۔

۳۵۔ تشدید: شد کو کہتے ہیں جس حرف پر شد ہوا سے مشدد کہتے ہیں۔

۳۶۔ تنوین: دو زبر اور دو زیر اور دو پیش کو کہتے ہیں اور جس حرف پر ہوا سے منوّن کہتے ہیں۔

۳۷۔ حروف ممدودہ: جن پر مدّ ہو۔

۳۸۔ فتحہ اشباعی: کھڑی زبر کو کہتے ہیں۔

۳۹۔ کسرہ اور ضمہ اشباعی کھڑی زیر اور الٹی پیش کو کہتے ہیں۔

۴۰۔ امالہ: الف کو یا اور زبر کو زیر کی طرف مائل کر کے پڑھنا۔

۴۱۔ ماقبل: حرف سے پہلے حرف کو ماقبل کہتے ہیں۔

۴۲۔ مابعد: حرف کے بعد والے حرف کو مابعد کہتے ہیں۔

۴۲۔ حروف قمریہ: جن حروف سے پہلے لام تعریف پڑھا جائے۔ البلاغ الکتاب وغیرہ یہ حروف چودہ ہیں جن کا مجموعہ ہے ابغ، حجک، وخف، عقیمہ

۴۴۔ حروف شمسیہ: جن حروف سے پہلے لام تعریف نہ پڑھا جائے جیسے الرحمن۔ الثاقب وغیرہ حروف شمسی بھی چودہ ہیں جو حروف قمری کے علاوہ ہیں۔

۴۵۔ وقف: کسی کلمہ کے آخری حرف پر سانس اور آواز دونوں کو روک کر ٹھہر جانا اور اگر وہ متحرک ہے تو اس کو ساکن کر دینا۔

۴۶۔ موقوف علیہ: جس حرف پر وقف کیا جائے۔

۴۷۔ وقف بالاسکان: جس حرف پر وقف کیا اس کو ساکن کر دیا۔ یہ تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے۔

۴۸۔ وقف بالرّوم: جس حرف پر وقف کیا اس کو تھوڑی سی حرکت دینا یہ زیر اور پیش میں ہوتا ہے۔

۴۹۔ وقف بالاشمام: جس حرف پر وقف کیا اس کو ساکن کر کے ہونٹوں سے پیش کی طرف اشارہ کرنا یہ ضمہ میں ہوتا ہے۔

۵۰۔ ابتداء: جس کلمہ پر وقف کیا پھر اس سے آگے پڑھنا

۵۱۔ اعادہ: جس کلمہ پر وقف کیا ربط کلام کے لیے اس سے یا اس سے پہلے والے کلمہ سے پڑھنا

۵۲۔ اظہار: نون ساکن، نون تنوین اور میم ساکن کو بغیر غنہ کے پڑھنا

۵۳۔ غنہ: ناک میں آواز لے جا کر پڑھنا

۵۴۔ ادغام: دو حرفوں کو ملا کر ایک کر دینا۔

۵۵۔ مدغم: وہ حرف جسے دوسرے حرف میں ملایا جائے۔

۵۶۔ مدغم فیہ: جس حرف میں ملایا جائے۔

۵۷۔ ابدال: ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا۔

۵۸۔ اقلاب: نون ساکن اور نون تنوین کو میم سے بدل دینا۔

۵۹۔ اخفاء: ادغام اور اظہار کی درمیانی حالت

۶۰۔ تفخیم: حروف کو پُر پڑھنا۔

۶۱۔ ترقیق: حروف کو باریک پڑھنا۔

۶۲۔ ترتیل: بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔

۶۳۔ حدر: جلدی جلدی پڑھنا جس سے تجوید نہ بگڑے

۶۴۔ تدویر: ترتیل اور حدر کی درمیانی رفتار سے پڑھنا

۶۵۔ استعاذہ: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا

۶۶۔ بسملہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔

۶۷۔ مد: حرف کو اس کی اصلی مقدار سے زیادہ پڑھنا۔

۶۸۔ قصر: حرف کو بغیر مد کے اس کی اصلی مقدار جتنا پڑھنا۔

۶۹۔ مخارج: منہ کے وہ حصے جہاں سے حروف ادا ہوتے ہیں۔

حرکات کو ادا کرنے کا طریقہ:

فتحہ: زبر کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت منہ اور آواز کو کھول کر ادا ہوتی ہے جیسے تَ

کسرہ: زیر کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت منہ اور آواز کو نیچے گرا کر ادا ہوتی ہے جیسے تِ

ضمہ: پیش کو کہتے ہیں یہ حرکت ہونٹوں کو گول کر کے ناتمام ملانے سے ادا ہوتی ہے جیسے تُ نیز ان حرکات کو دگنی مقدار میں ادا کرنے سے الف واو اور یائے مدہ پیدا ہوتے ہیں۔

مخارج حروف:

۱۔ حلق

۲۔ لسان

۳۔ شفتین

۴۔ جوف

۵۔ خیشوم

۱۔ حلق:

حلق کے تین حصے ہیں۔ انتہائے حلق، وسط حلق، ابتدائے حلق۔ انتہائے حلق سے صرف دو حرف نکلتے ہیں ہمزہ اور ہ جب کہ وسط حلق سے ع اور ح کی آواز نکلتی ہے "ح" کی آواز "ھ" کے مقابلے میں ذرا بھاری ہوتی ہے نیز ابتدائے حلق "غ" اور "خ" کا مخرج ہے مندرجہ بالا مخارج کے چھ حروف کو حروفِ حلقی کہا جاتا ہے۔

۲۔ لسان (زبان):

زبان کے تین حصے ہیں:

۱۔ زبان کی جڑ

۲۔ وسط زبان

۳۔ نوکِ زبان

زبان کی جڑ اور تالو کا نرم حصہ یہ "ق" کا مخرج ہے اس کے مخرج سے تھوڑا سامنے کی طرف ہٹ کر زبان کی جڑ اور تالو کا سخت حصہ "ک" کا مخرج ہے ان دونوں حرفوں کو "لہاتیہ" کہتے ہیں وسط زبان اور وسط تالو "ج"، "ش" اور "ی" کا مخرج ہے بشرطیکہ "ی" پر مد نہ ہو۔ بصورت دیگر "ی" کا مخرج جوف دہن ہے۔

آگے آنے والے حروف کے مخارج کا تعلق چونکہ دانتوں سے بھی ہے لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ کل دانت بتیس ہیں۔ ان کی چھ اقسام ہیں:

۱۔ ثنایا: سامنے کے دو اوپر اور دو نیچے والے دانت اوپر والے دانتوں کو ثنایا علیا اور نیچے والے دانتوں کو ثنایا سفلی کہتے ہیں۔

۲۔ رباعیات: ثنایا کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک کل چار دانت ہوئے۔

۳۔ انیاب: رباعیات کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک کل چار دانت ہوئے۔

۴۔ ضواحک: انیاب کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک کل چار ہوئے۔

۵۔ طواحن: ضواحک کے دائیں بائیں اوپر نیچے تین تین کل بارہ داڑھیں ہوئیں

۶۔ نواجذ: طواحن کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک کل چار داڑھیں ہوتی ہیں۔

ضواحک، طواحن اور نواجذ کو اضراس کہتے ہیں۔

حافۂ لسان یعنی زبان کی کروٹ دائیں یا بائیں طرف اوپر کی داڑھ کی جڑ سے لگا کر زبان کا پیٹ تالو سے لگا کر ذرا بھاری سی آواز نکلتی ہے جو کہ "ض" کا مخرج ہے بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے۔ اس حرف "ض" کو حافیہ کہتے ہیں اس کے مخرج میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں۔ اس لیے کسی ماہر قاری سے اس کی مشق کرنا چاہیے۔ اس حرف کو "د" یا "ظ" کے مشابہ پڑھنا درست نہیں البتہ اگر "ضاد" کو اس کے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں "ظ" کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علم تجوید میں شیعہ سنی میں کوئی اختلاف نہیں بعض سنی اس کو "د" سے اور بعض شیعہ اس کو "ظ" کی آواز کے ساتھ نکالتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ شیعہ سنی علماء میں اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں جو بھی اختلاف ہے وہ عوام کا پھیلایا ہوا ہے جو کہ جہالت پر مبنی ہے ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔

زبان کا کنارہ اور ضواحک سے ثنایا تک مقابل کا تالو "ل" کا مخرج ہے جب کہ لام کے مخرج سے تھوڑا سامنہ کی طرف ہٹ کر انیاب سے ثنایا تک مقابل کا تالو "ن" کا مخرج ہے۔ نوک زبان مائل بہ پشت اور مقابل کا تالو "ر" کا مخرج قرار دیا جاتا ہے۔ ان تینوں حروف کو طرفیہ اور ذلقیہ بھی کہتے ہیں اور عام طور سے عوام الناس ان حروف کے نکالنے میں غلطی نہیں کرتے۔

زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ کے ملاپ سے "ت"، "د" اور "ط" کی آوازیں نکلتی ہیں۔ "ط" کی آواز ذرا بھاری ہوتی ہے اس میں زبان کا پیٹ تالو سے بھی لگانا پڑتا ہے جب کہ "ت" کی آواز ہلکی ہوتی ہے اور زبان کا پیٹ تالو سے بھی نہیں لگانا پڑتا۔ ان تینوں حروف کو عام اصطلاح میں نطعیہ کہتے ہیں۔

زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا کنارا "ث، ذ، ظ" کا مخرج ہے۔ "ث" اور "ذ"

کی آواز ہلکی نکلتی ہے جب کہ "ظ" کی آواز بھاری ہوتی ہے اور اس حرف کی آواز نکلتے وقت زبان کا پیٹ بھی تالو سے لگانا پڑتا ہے۔ ان تینوں حروف کو لثویہ کہتے ہیں۔

ہ۔ زبان کی نوک اور ثنایا سفلیٰ کا کنارہ مع اتصال ثنایا علیا "ز، س، ص" کا مخرج ہے "ص" کی آواز بھاری ہوتی ہے کیوں کہ اس میں زبان کا پیٹ تالو سے بھی لگانا پڑتا ہے۔ ان تینوں حروف کو صفیر کہتے ہیں۔

۳۔ شفتین (ہونٹ):

ثنایا علیا کے کنارے اور نیچے کے ہونٹ کا اندرونی حصہ "ف" کا مخرج ہے۔ عام طور سے ہمارے یہاں اس حرف کے نکالنے میں کوئی غلطی نہیں کی جاتی۔

دونوں ہونٹ "ب م و" کا مخرج ہیں۔ واؤ اس صورت میں جب اس پر مد نہ ہو۔ ان تینوں میں اتنا فرق ہے کہ "ب" ہونٹوں کی تری والے حصہ سے نکلتا ہے اس کو بحری کہتے ہیں اور "م" ہونٹوں کی خشکی سے نکلتا ہے اس کو بری کہتے ہیں جب کہ "و" دونوں ہونٹوں کے ناتمام ملنے سے نکلتا ہے "ف، ب، م، و" ان چاروں حروف کو شفویہ کہتے ہیں۔

۴۔ جوفِ دہن:

یہ حروف مدہ کا مخرج ہے۔ حروف مدہ تین ہیں۔ الف، و، ی یعنی الف ساکن ماقبل مفتوح (یا) ساکن ماقبل مکسور۔ واؤ ساکن ماقبل مضموم مثلاً نُوحِیۡہَا

۵۔ خیشوم (ناک کا بانس):

یہ غنہ کا مخرج ہے۔

جاننا چاہیے کہ حرف کے مخرج معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس حرف کو ساکن کر کے اس سے پہلے ہمزۂ متحرک لے آئیں جس جگہ آواز ختم ہو وہی اس کا مخرج ہے۔

صفاتِ حروف:

اصطلاحِ تجوید میں صفت، حرف کی اس حالت یا کیفیت کو کہتے ہیں جس سے حرف کا پُر یا باریک ہونا، قوی یا ضعیف ہونا وغیرہ معلوم ہو اور جس سے

ایک مخرج کے چند حروف میں تمیز ہو جائے مثلاً ت، ط ان دونوں کا مخرج تو ایک ہے مگر "ت" صفت استفال اور انفتاح کی وجہ سے باریک اور "ط" صفت استعلاء اور اطباق کی وجہ سے پُر پڑھا جاتا ہے۔

صفات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ صفات لازمہ

۲۔ صفات عارضہ

ان دونوں صفات کی تعریف ہم نقل کر آئے ہیں۔

۱۔ صفات لازمہ کی اقسام:

۱۔ صفات لازمہ متضادہ ۲۔ صفات لازمہ غیر متضادہ

(۱) صفات لازمہ متضادہ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ (یہ دس ہیں)

صفت	ضد
۱۔ ہمس	۶۔ جہر
۲۔ شدت۔ متوسط	۷۔ رخاوت
۳۔ استعلاء	۸۔ استفال
۴۔ اطباق	۹۔ انفتاح
۵۔ اذلاق	۱۰۔ اصمات

ہمس: لغوی معنی پستی اصطلاحِ تجوید میں پست اور ضعیف آواز کو کہتے ہیں جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروفِ مہموسہ کہا جاتا ہے۔ حروفِ مہموسہ کو ادا کرتے وقت سانس آہستگی سے جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے آواز میں پستی اور کمزوری پائی جاتی ہے حروف مہموسہ دس ہیں جن کا مجموعہ "فحثہ شخص سکت" ہے۔

جہر: صفت ہمس کی ضد ہے۔

لغوی معنی اونچائی اصطلاحِ تجوید میں بلند اور قوی آواز کو کہتے ہیں۔ جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان حروف کو مجہورہ کہا جاتا ہے۔ حروف مجہورہ کو ادا کرتے وقت سانس رک جاتا ہے جس کی وجہ سے آواز میں بلندی اور قوت

پائی جاتی ہے حروف مہموسہ کے علاوہ باقی انیس حروف مجہورہ ہیں۔

شدت: لغوی معنی سختی۔ اصطلاحِ تجوید میں سخت اور قوی آواز کو کہتے ہیں جن حروف میں یہ صرف پائی جاتی ہے ان کو حروف شدیدہ کہا جاتا ہے۔ حروف شدیدہ کو ادا کرتے وقت آواز مخرج میں بند ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے آواز میں شدت اور قوت پائی جاتی ہے حروفِ شدیدہ آٹھ ہیں جن کا مجموعہ "اجد قط بکت"

رخاوت: یہ صفت شدت کی ضد ہے لغوی معنی نرمی اور اصطلاحِ تجوید میں نرم اور ضعیف آواز کو کہتے ہیں جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروف رخوہ کہا جاتا ہے۔ رخوہ کو ادا کرتے وقت آواز مخرج میں جاری رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے آواز میں نرمی اور ضعف پایا جاتا ہے۔ حروف شدیدہ اور متوسط کے علاوہ باقی سولہ حروف رخوہ ہیں۔

توسط: لغوی معنی درمیان اصطلاحِ تجوید میں شدت اور رخاوت کی درمیانی حالت کے ساتھ پڑھنے کو کہتے ہیں جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروفِ متوسط کہا جاتا ہے۔ حروفِ متوسط کو ادا کرتے وقت نہ تو آواز پورے طور پر بند ہوتی ہے کہ شدت پیدا ہو جائے اور نہ ہی پورے طور پر جاری رہتی ہے کہ رخاوت پیدا ہو جائے بلکہ اس کی درمیانی حالت رہتی ہے حروف متوسط پانچ ہیں جن کا مجموعہ ہے "لن عمر"

استعلاء: لغوی معنی بلندی چاہنا۔ اصطلاحِ تجوید میں زبان کی جڑ کا تالو کی طرف بلند ہونے کو کہتے ہیں جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروف مستعلیہ کہا جاتا ہے۔ ان حروف کو ادا کرتے وقت زبان کی جڑ تالو کی طرف بلند ہوتی ہے۔ اس لیے یہ حروف پر پڑھے جاتے ہیں۔ یہ حروف سات ہیں جن کا مجموعہ "خص ضغط قظ" ہے۔

استفال: یہ استعلاء کی ضد ہے۔ اس کے لغوی معنی "نیچائی چاہنا" اصطلاحِ تجوید میں زبان کی جڑ کا تالو کی طرف نہ اٹھنے کو کہا جاتا ہے۔ جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروف مستفلہ کہا جاتا ہے۔ حروف مستفلہ کو ادا کرتے وقت زبان کی جڑ تالو کی طرف بلند نہیں ہوتی بلکہ نیچے رہتی ہے اسی وجہ سے یہ

حروف باریک پڑھے جاتے ہیں۔ حروف مستعلیہ کے علاوہ باقی بائیس حروف مستفلہ ہیں۔

اطباق: لغوی معنی ملنا یا چپٹنا۔ اصطلاحِ تجوید میں زبان کا پھیل کر تالو سے چمٹ جانے یا مل جانے کو کہتے ہیں جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروفِ مطبقہ کہا جاتا ہے ان حروف کو ادا کرتے وقت زبان تالو سے مل جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ حروف بہت ہی پُر پڑھے جاتے ہیں حروفِ مطبقہ چار ہیں۔ صاد۔ ضاد۔ طا۔ ظا

انفتاح: یہ اطباق کی ضد ہے۔ لغوی معنی کھلا رہنا۔ اصطلاحِ تجوید میں زبان کا تالو سے جدا رہنے کو کہتے ہیں۔ جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروف منفتحہ کہا جاتا ہے ان حروف کو ادا کرتے وقت زبان تالو سے جدا رہتی ہے۔ حروف مطبقہ کے علاوہ باقی پچیس حروف منفتحہ ہیں۔

اذلاق: لغوی معنی کنارہ۔ اصطلاحِ تجوید میں حروف کا دانتوں، ہونٹوں یا زبان کے کناروں سے پھسل کر بسہولت ادا ہونے کو کہتے ہیں حروف مذلقہ اپنے مخرج سے پھسل کر بسہولت ادا ہوتے ہیں حروف مذلقہ چھ ہیں جن کا مجموعہ "فر من لب" ہے۔

اصمات: یہ اذلاق کی ضد ہے۔ لغوی معنی رکنا۔ اصطلاحِ تجوید میں حروف کا اپنے مخارج سے جم کر مضبوطی سے ادا ہونے کو کہا جاتا ہے جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروف مصمتہ کہتے ہیں یہ حروف اپنے مخارج سے جم کر مضبوطی سے ادا ہوتے ہیں حروف مذلقہ کے علاوہ تیئس ۲۳ حروف مصمتہ ہیں۔

صفات لازمہ متضاد کا خلاصہ

حروف مھموسہ دس ہیں	فحثہ شخص سکت	باقی انیس حروف مجہورہ ہیں
حروف شدیدہ آٹھ ہیں	اجد قط بکت	
حروف متوسط پانچ ہیں	لن عمر	باقی سولہ حروف رخوہ ہیں
حروف مستعلیہ سات ہیں	خص ضغط قظ	باقی بائیس حروف مستفلہ ہیں
حروف مطبقہ چار ہیں	صاد۔ ضاد۔ طا۔ ظا	باقی پچیس حروف منفتحہ ہیں
حروف مذلقہ چھ ہیں	فر من لب	باقی تیئس حروف مصمتہ ہیں

صفات لازمہ غیر متضادہ کی اقسام

صفات لازمہ غیر متضادہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) صفیر، (۲) قلقلہ، (۳) تکریر، (۴) تفشی، (۵) استطالت

۱۔ صفیر: لغوی معنی سیٹی۔ اصطلاحِ تجوید میں سیٹی کی طرح تیز آواز کو کہتے ہیں جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروف صفیریہ کہا جاتا ہے۔ ان حروف کو ادا کرتے وقت آواز سیٹی کی طرح نکلتی ہے یہ تین حروف ہیں۔ زا۔ سین۔ صاد

۲۔ قلقلہ: لغوی معنی جنبش۔ اصطلاحِ تجوید میں حروف کے سکون کے وقت ان کے مخرج میں پیدا ہونے والی جنبش کو قلقلہ کہتے ہیں جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو حروف قلقلہ کہا جاتا ہے۔ ان حروف کو ادا کرتے وقت سکون کی حالت میں ان کے مخرج میں جنبشِ پیدا ہوتی ہے۔ حروف قلقلہ پانچ ہیں جن کا مجموعہ "قطب جد" ہے۔

۳۔ تکریر: لغوی معنی کسی چیز کا بار بار ہونا۔ اصطلاحِ تجوید میں نوکِ زبان میں کپکپاہٹ پیدا ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ صفت صرف "ر" میں پائی جاتی ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے اصل تکرار سے بچنا چاہیے۔ صرف نوک زبان میں ہلکی سے کپکپاہٹ پیدا ہونی چاہیے۔

۴۔ تفشی: لغوی معنی پھیلنا۔ اصطلاحِ تجوید میں منہ میں آواز کے پھیلنے کو کہتے ہیں یہ صفت صرف شین میں پائی جاتی ہے اور شین کو ادا کرتے وقت منہ میں آواز پھیل جاتی ہے۔

۵۔ استطالت: لغوی معنی لمبائی چاہنا۔ اصطلاحِ تجوید میں حرف کے مخرج میں دیر تک آواز کے جاری رہنے کو کہتے ہیں۔ یہ صفت صرف ضاد میں پائی جاتی ہے۔ ضاد کو ادا کرتے وقت زبان شروع مخرج سے آخر مخرج تک آہستہ آہستہ لگتی ہے جس کی وجہ سے آواز میں طوالت پیدا ہوتی ہے۔

صفات عارضہ کا بیان:

صفات عارضہ جو حروف میں کبھی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں اور یہ صفات تمام حروف میں نہیں بلکہ بعض حروف میں ہوتی ہیں تو جن حروف کی

ادائیگی میں یہ صفات ادا نہ ہوں گی تو وہ حروف تو صحیح ہوں گے البتہ ان کی تحسین میں کمی آئے گی جیسے "ر" مفتوح ہو تو پُر اور مکسور ہو تو باریک پڑھی جاتی ہے صفاتِ عارضہ سترہ ہیں جو مختلف حالتوں میں مختلف حروف میں پائی جاتی ہیں اور یہ آٹھ حروف (او یرملان) ہیں۔

صفات عارضہ یہ ہیں

۱۔ ترقیق: باریک پڑھنا
۲۔ تفخیم: پُر پڑھنا
۳۔ ابدال: بدلنا
۴۔ تسہیل: تحقیق اور ابدال کی درمیانی حالت
۵۔ اثبات: حرف کو باقی رکھنا
۶۔ حذف: حرف کو ختم کرنا
۷۔ مدہ: مد کرنا
۸۔ امالہ: فتح کو کسرے اور الف کو یا کی طرف مائل کرنا
۹۔ لین: مد کی طرح نرمی کرنا
۱۰۔ غنہ: ناک میں آواز لے جا کر پڑھنا
۱۱۔ اظہار: حرف کو اس کے مخرج سے مع جمیع صفات پڑھنا
۱۲۔ ادغام: ملا دینا
۱۳۔ قلب: بدلنا
۱۴۔ اخفا: پوشیدہ کرنا یا بین الاظہار والادغام یعنی اظہار و ادغام کی درمیانی حالت
۱۵۔ ادغام شفوی: میم کو میم میں مدغم کرنا
۱۶۔ اخفاء شفوی: میم کے بعد ب ہو تو میم کو پوشیدہ کر کے پڑھنا
۱۷۔ اظہار شفوی: میم کے بعد نہ میم ہو نہ با اور نہ الف باقی چھبیس حروف میں سے کوئی حرف ہو

صفات عارضہ کے اجراء کے قواعد

نون ساکن اور نون تنوین کا فرق

۱۔ نون ساکن جو لکھا جاتا ہے اور پڑھا بھی جاتا ہے۔
۲۔ نون ساکن کلمے کے درمیان میں بھی آسکتا ہے اور آخر میں بھی
۳۔ نون ساکن اسم فعل اور حرف تینوں میں آتا ہے
۴۔ نون ساکن وقف میں بھی پڑھا جاتا ہے اور وصل میں بھی

نون تنوین

۱۔ وہ نون ساکن جو لکھا نہیں جاتا مگر پڑھا جاتا ہے
۲۔ یہ کلمے کے آخر میں آتا ہے درمیان میں نہیں آتا۔
۳۔ یہ صرف اسم کے آخر میں آتا ہے فعل میں نہیں آتا۔
۴۔ یہ وصل میں پڑھا جاتا ہے اور وقف کی صورت میں دو زبر ہوں تو الف سے بدل جاتا ہے اور دو زیر دو پیش کی صورت میں حذف ہو جاتا ہے۔

نون ساکن اور نون تنوین کے چار قاعدے ہیں:

۱۔ اظہار، ۲۔ ادغام، ۳۔ قلب، ۴۔ اخفاء

اظہار: لغوی معنی ظاہر کرنا۔ اصطلاحِ تجوید میں حرف کو اس کے مخرج سے بغیر کسی تغیر اور غنہ کے ادا کرنے کو کہتے ہیں جب نون ساکن اور نون تنوین کے بعد حروفِ حلقی میں سے کوئی حرف آجائے تو وہاں اظہار ہوتا ہے اور اس کو اظہار حلقی کہتے ہیں۔

حروف حلقی چھ ہیں۔ ء۔ ھ۔ ع۔ ح۔ غ۔ خ

نون ساکن کے بعد حروفِ حلقی کی مثالیں

۱. مِنْ اَجَلٍ
۲. مِنْهُمْ
۳. اَنْعَمْتَ
۴. مِنْ حَقٍّ
۵. مِنْ غَيْرِهٖ
۶. مِنْ خَوْفٍ

نون تنوین کے بعد حروف حلقی کی مثالیں

۱. اِذًا اَبَدًا
۲. كُلًّا هَدَيْنَا
۳. سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ
۴. عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ
۵. عَفُوٌّ غَفُوْرٌ
۶. عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

ادغام: لغوی معنی کسی چیز کو کسی چیز میں ملا دینا، اصطلاحِ تجوید میں ایک ساکن حرف کو دوسرے متحرک حرف میں اس طرح ملانے کو کہتے ہیں کہ

دونوں حروف ایک مشدد حرف پڑھا جائے جیسے مَن رَّبک۔ جب نون ساکن اور نون تنوین کے بعد حروف یرملون میں سے کوئی حرف آئے تو وہاں ادغام ہوگا۔ لام، را میں بلا غنہ باقی یومن کے چار حروف میں باغنہ ادغام ہوگا۔

نون ساکن کے بعد حروف یرملون کی مثالیں

۱. مَن یَّفعَل	۴. اِن لَّم
۲. مَن رَّبِّکَ	۵. مِن وَّرَائِہ
۳. مِن مِّثلِہ	۶. مِن نَّفسِہٖ

نون تنوین کے بعد حروف یرملون کی مثالیں

۱. رَجُلٌ یَّسعٰی	۴. رِزقًا لَّکُم
۲. غَفُورٌ رَّحِیم	۵. صَیحَۃً وَّاحِدَۃً
۳. کَثِیرًا مِّن	۶. سُلطَانًا نَّصِیرًا

قلب: لغوی معنی بدلنا۔ اصطلاحِ تجوید میں ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینے کا نام قلب ہے جب نون ساکن اور نون تنوین کے بعد با آئے تو نون ساکن اور نون تنوین کو میم سے بدل کر غنہ کے ساتھ پڑھیں گے جیسے مِنۢ بعد۔ الیمٌۢ بما

اخفاء: لغوی معنی پوشیدہ کرنا۔ اصطلاحِ تجوید میں اظہار اور ادغام کی درمیانی حالت نون ساکن اور نون تنوین کے بعد جب حروف حلقی اور حروف یرملون۔ الف اور باء کے سوا باقی حروف میں سے کوئی حرف آئے تو اخفاء ہوگا یعنی نون ساکن اور نون تنوین کو اس کے مخرج سے اس طرح پڑھنا کہ زبان نون کے مخرج تک نہ پہنچے البتہ قریب ہو جائے اور غنہ ایک الف کے برابر ہوتا ہے۔

حروف اخفا مندرجہ ذیل ہیں۔

ت، ث، ج، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ف، ق، ک

نون ساکن کے بعد حروفِ اخفاء کی مثالیں

۱. اِنتِقَام	۸. مَن شَہِدَ

۲. مِن ثَمَرَۃٍ
۳. مَن جَاءَ
۴. مَن دَخَلَ
۵. مَن ذَالَّذی
۶. کَنز
۷. یَنسِلُون
۹. مَنصُوراً
۱۰. مَن ضَلَّ
۱۱. مِن طِین
۱۲. یَنظُرُ
۱۳. یُنفِق
۱۴. مَن قَالَ
۱۵. مِنکُم

نون تنوین کے بعد حرف اخفاء کی مثالیں

۱. جَنّٰتٍ تجری
۲. قَولاً ثَقِیلاً
۳. عَینٌ جَارِیَۃٌ
۴. کَاساً دِھَاقاً
۵. بَاسطٌ ذِرَاعَیہ
۶. غُلماً زَکِیاً
۷. قولاً سَدِیداً
۸. صَبَّارٍ شَکُور
۹. صَفاً صَفاً
۱۰. عَذَاباً ضِعفاً
۱۱. صَبحاً طَوِیلاً
۱۲. ظِلاً ظَلِیلاً
۱۳. قَومٌ فاسِقون
۱۴. رِزقاً قَالُوا
۱۵. بِدَمٍ کَذِب

الف، لام اور را کے تفخیم و ترقیق کے قاعدے

کل انتیس حروف میں سے حروف مستعلیہ یعنی "خص ضغط قظ" ہر حالت میں پُر پڑھے جاتے ہیں ان کے علاوہ باقی تمام حروف مستقلًا باریک پڑھے جاتے ہیں مگر الف، لام، را کبھی باریک اور کبھی پُر پڑھے جاتے ہیں۔

الف کے قواعد: الف ہمیشہ اپنے ماقبل کا تابع ہوتا ہے اگر ماقبل حرف باریک ہو تو الف بھی باریک پڑھا جاتا ہے اور اگر ماقبل حرف پُر ہو تو الف بھی پُر پڑھا جاتا ہے جیسے قَال میں پُر اور مَالک میں باریک۔

لام کے قواعد: لفظ اللہ کا لام جب کہ اس سے پہلے حرف پر زبر یا پیش ہو تو پُر پڑھا جاتا ہے جیسے واللہ، رسول اللہ، اللّٰھمّ وغیرہ اور اگر اس لام کے ماقبل حرف پر زیر ہو تو باریک پڑھا جاتا ہے مثلاً للہ، باللہ وغیرہ

مندرجہ ذیل صورتوں میں را مفخم یعنی پُر پڑھی جائے گی۔

ا۔ جب کہ را مفتوح ہو یا مضموم مثلاً رَشداً۔ رُشداً

۲۔ جب کہ را ساکن ہو اور اس کے ماقبل حرف مفتوح ہو یا مضموم مثلاً یَرْجِ، تُرْجِعْ

۳۔ را ساکن سے پہلے کسرہ دوسرے کلمہ میں ہو۔

۴۔ را ساکن سے پہلے کسرہ عارضی ہو۔

۵۔ را ساکن کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف اسی کلمہ میں ہو جیسے ارصاد مگر فرق کی را پُر اور باریک دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

۶۔ را وقف کی وجہ سے ساکن ہو اور اس کا ماقبل بھی ساکن ہو اور اس کے ماقبل حرف مفتوح ہو یا مضموم مثلاً قدر، اُمور

رامرامہ (۱): روم کے معنی حرکت کا کچھ حصہ پڑھنا۔ جس را پر وقف بالرّوم کیا گیا ہو وہ را اپنی حرکت کے مطابق پڑھی جائے گی مثلاً قدرِ کی را پر اگر وقف بالرّوم کیا گیا ہو تو را باریک ہوگی اور غفُور کی را میں اگر وقف بالروم ہوگا تو پُر۔

رامشدّد: رامشدّد بھی اپنی حرکت کے مطابق پڑھی جائے گی اور را مدغمہ دوسری را کے تابع ہوگی مثلاً فَفِرّوا اور ذُرِّیۃ

راممالہ: راممالہ وہ را ہے جس میں امالہ کیا گیا ہو اور یہ را باریک پڑھی جاتی ہے امالہ کے معنی مائل کرنا۔ اصطلاح تجوید میں الف کو یا اور فتحہ کو کسرہ کی طرف مائل کرکے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ امالے کی دو قسمیں ہیں۔ امالہ صغریٰ اور امالہ کبریٰ

روایت حفص میں سارے قرآن میں صرف ایک جگہ لفظ مجرٖھا میں امالہ ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں را باریک ہوگی

ا۔ جب را مکسور ہو۔ جیسے شُرِبَ

۲۔ را ساکن ماقبل کسرہ اصلی اسی کلمہ میں ہو اور را کے بعد حرف مستعلیہ نہ ہو جیسے فرعون،

۳۔ را ساکن سے پہلے یائے ساکنہ ہو جیسے خَیر

۴۔ را موقوفہ کا ماقبل بھی ساکن ہو تو اس کا ماقبل اگر کسرہ ہو تو را باریک ہوگی جیسے فِکر، ذِکر

---

(۱) رامرامہ اس را کو کہتے ہیں جن پر وقف بالرّوم کیا جائے۔

میم ساکن کے قواعد

میم ساکن کے تین قاعدے ہیں (۱) ادغام شفوی، (۲) اخفائے شفوی، (۳) اظہارِ شفوی۔

۱۔ ادغامِ شفوی: اگر میم ساکن کے بعد میم آجائے تو پہلی میم کو دوسری میم میں مدغم کر دیں گے اسے ادغامِ شفوی کہتے ہیں مثلاً وَکَم مِّن

۲۔ اخفائے شفوی: اگر میم ساکن کے بعد (ب) آجائے تو میم کو اس کے مخرج میں چھپا کر پڑھتے ہیں اسے اخفائے شفوی کہتے ہیں مثلاً وَمَاھُم بِمُؤمِنِینَ

۳۔ اظہار شفوی: اگر میم ساکن کے بعد باء میم اور الف کے علاوہ باقی چھبیس حروف میں سے کوئی حرف آجائے تو اظہار شفوی ہوگی یعنی میم کو اپنے مخرج سے ظاہر کر کے پڑھیں گے مثلاً وَھُم لَا یُؤمِنُون۔ اَلَم نَشرَح

ادغام کا بیان

ادغام کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مثلین، (۲) متجانسین، (۳) متقاربین

۱۔ ادغام مثلین: اگر ایک حرف دو مرتبہ ایک یا دو کلموں میں جمع ہو اور پہلا ان میں سے ساکن اور دوسرا متحرک ہو تو پہلے کو دوسرے میں مدغم کریں گے اس کو ادغام مثلین کہتے ہیں مثلاً اِذ ذَّھَبَ۔ یُدرِ کّکُم

۲۔ ادغام متجانسین: اگر ایسے دو حرف ایک کلمہ یا دو کلموں میں جمع ہوں جن کا مخرج ایک ہو اور حروف الگ الگ اور پہلا حرف ساکن اور دوسرا متحرک ہو تو پہلے کو دوسرے میں مدغم کریں گے اس کو ادغامِ متجانسین کہتے ہیں۔ جیسے عَبَدتُّم، قَد تَّبَیَّنَ

ادغام مثلین اور متجانسین کی دو قسمیں ہیں۔ واجب، جائز۔

(۱) واجب: مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف اگر خود ہی ساکن ہو تو وہاں ادغام واجب ہے اور اس کو ادغام صغیر بھی کہتے ہیں۔ جیسے اِذ ذَّھَبَ، قَد تَّبَیَّنَ

۲۔ جائز: اگر پہلا حرف ساکن کر کے ادغام کریں تو اسے ادغام جائز کہتے ہیں مثلاً مَدَّ اصل میں مَدَدَ تھا۔

۳۔ ادغامِ متقاربین: اگر ایسے دو حرف ایک کلمہ یا دو کلموں میں جمع ہوں جو باعتبار مخرج اور صفات کے قریب قریب ہوں تو ان کے ادغام کو ادغام

متقاربین کہتے ہیں۔ جیسے اَلَم نَخلُقکُم۔ قُل رَبِّ وغیرہ

ادغام متقاربین اور متجانسین کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تام، (۲) ناقص

(۱) تام: اگر پہلے حرف کو دوسرے سے بدل کر ادغام کیا جس سے پہلے حرف کی کوئی صفت باقی نہ رہے تو اس کو ادغام تام کہتے ہیں جیسے من لدنہ، اذ ظلموا وغیرہ

(۲) ناقص: اگر مدغم کی کوئی صفت اِدغام کے بعد باقی رہے تو وہ ادغامِ ناقص ہوگا جیسے من یقول۔ احطت وغیرہ

مدّ اور اس کی اقسام

مدّ کے لغوی معنی درازگی اور اصطلاحِ تجوید میں حروفِ مدہ یا لین پر آواز کے دراز کرنے کو مد کہا جاتا ہے جب کہ ان کے بعد اسبابِ مدّہ میں سے کوئی سبب پایا جائے۔

حروف مدّہ: حروف مدہ تین ہیں و۔ الف۔ ی

(۱) واؤ ساکن ماقبل مضموم جیسے قالوا میں واؤ

(۲) الف ساکن ماقبل مفتوح جیسے وَمَا میں الف

(۳) یاء ساکن ماقبل مکسور جیسے فی میں یاء

حروف لین: حروف لین دو ہیں۔ و۔ ی

(۱) واؤ ساکن ماقبل مفتوح جیسے خَوف میں واؤ

(۲) یاء ساکن ماقبل مفتوح جیسے صَیف میں یاء

اسباب مدّہ: اسبابِ مدّہ دو ہیں (۱) ہمزہ (ء) اور (۲) سکون (°)

مدّ کی اقسام: مدّ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مدّ اصلی، (۲) مدّ فرعی

(۱) مدّ اصلی: اگر حرف مدّہ کے بعد مد کا کوئی سبب نہ ہو تو اس کو مد اصلی، طبیعی یا ذاتی کہتے ہیں جیسے اُوتِینا میں واؤ یا اور الف اس مد کی مقدار ایک الف کے برابر ہوتی ہے۔ الف کی مقدار ماہرین تجوید کے نزدیک بند انگلی کو نہ بہت آہستہ اور نہ بہت جلدی کھولنے یا اسی طرح کھلی ہوئی انگلی کو بند کرنے میں جس قدر دیر لگتی ہے یہ ایک الف کا اندازہ ہے۔

(۲) مدّ فرعی: اگر حرف مدّہ یا لین کے بعد مد کا سبب پایا جائے تو اس کو

مدِ فرعی کہتے ہیں۔

مدِ فرعی کی اقسام: مدِ فرعی کی مشہور چار اقسام ہیں۔ (۱) مدِ متصل، (۲) مدِ منفصل، (۳) مدِ عارض، (۴) مدِ لازم

مد کا سبب اگر ہمزہ ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مدِ متصل، (۲) مدِ منفصل۔

مدِ متصل: اگر حرف مدہ کے بعد ہمزہ اسی کلمے میں ہو جس میں حرف مدہ ہے تو اس کو مدِ متصل کہتے ہیں جیسے۔ جَآءَ، مَلٰٓئِکَہ، اُولٰٓئِکَ

مقدار: اس مد کی مقدار دو الف، ڈھائی الف اور چار الف تک ہو سکتی ہے اس مد کو مدِ واجب بھی کہا جاتا ہے۔

مدِ منفصل: اگر حرف مدہ کے بعد ہمزہ دوسرے کلمے میں ہو تو اس کو مدِ منفصل کہتے ہیں مثلاً "وَمَآ اُنْزِلَ، تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ اِنِّیْٓ اَخَافُ

مقدار: اس مد کی مقدار دو الف، ڈھائی الف، چار الف ہے اس کے علاوہ قصر بھی جائز ہے اس مد کو مدِ جائز بھی کہتے ہیں۔

مد کا سبب اگر سکون ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مدِ عارض، (۲) مدِ لازم

مدِ عارض: اگر حرف مدہ یا حرف لین کے بعد سکون[1] عارضی ہو تو پہلی کو مدِ عارض اور دوسری کو مدِ لین عارض کہتے ہیں جیسے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے نون اور خَوْف کی فا کا سکون۔

مقدار: مدِ عارض اور مدِ لین عارض میں طول، توسط اور قصر ہوتا ہے طول کی مقدار ایک قول کے مطابق تین الف اور دوسرے قول پر پانچ الف اور توسط پہلے قول پر دو الف اور دوسرے قول پر تین الف اور قصر دونوں صورتوں میں ایک الف ہوتا ہے۔

مدِ عارض اور مدِ لین میں فرق۔ مدِ عارض میں طول اولیٰ ہے اس کے بعد توسط اور اس کے بعد قصر مگر مدِ لین عارض میں قصر اولیٰ اس کے بعد توسط اور

(۱) سکون عارض یعنی اصل میں تو حرف متحرک ہوتا ہے مگر وقف کرنے کی وجہ سے اس کو ساکن کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد طول کا درجہ ہے۔

مدلازم: اگر حرف مدہ یا حرف لین کے بعد سکون (۱) اصلی ہو تو پہلی کو مدلازم اور دوسری کو مدلین لازم کہتے ہیں۔

مدلازم کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مدلازم کلمی مثقل، (۲) مدلازم کلمی مخفف، (۳) مدلازم حرفی مثقل، (۴) مدلازم حرفی مخفف۔

۱۔ مدلازم کلمی مثقل: اگر کلمے میں حرف مدہ کے بعد سکون اصلی بالتشدید ہو تو اس کو مدلازم کلمی مثقل کہتے ہیں جیسے اَتُحَآجُّوْنِّیْ۔ اَلصَّآخَّۃُ

۲۔ مدلازم کلمی مخفف: اگر کلمے میں حرف مدہ کے بعد سکون اصلی بغیر تشدید کے ہو تو اس کو مدلازم کلمی مخفف کہتے ہیں جیسے آٰلْـٰٔنَ اس مد کی یہی ایک مثال ہے جو سورہ یونس میں دو مرتبہ آئی ہے۔

۳۔ مدلازم حرفی مثقل: اگر حرف میں حرف مدہ کے بعد سکون اصلی بالتشدید ہو تو اس کو مدلازم حرفی مثقل کہتے ہیں جیسے آلٓمّٓ

فائدہ: اس کی اصل صورت مندرجہ ذیل ہے۔ الف، لام، میم، لام کی میم پر سکون اصلی ہے اور اس کے بعد میم کی پہلی متحرک میم جس میں لام کی ساکن میم ادغام شفوی کے قاعدے کے مطابق دوسری متحرک میم میں مدغم ہو جانے کے بعد میم مشدد ہو گئی ہے۔

۴۔ مدلازم حرفی مخفف: اگر حرف میں حرف مدہ کے بعد سکون اصلی بغیر تشدید کے ہو تو اس کو مدلازم حرفی مخفف کہتے ہیں جیسے الٓمٓ میں یائے مدہ کے بعد میم ساکن اصلی ہے۔

فائدہ: مدلازم حرفی کی دونوں قسمیں حروف مقطعات (جو سورتوں کے اول میں آتے ہیں) کے تین حرفی حروف میں آتی ہیں۔

مقدار: مدلازم کی چاروں اقسام میں طول ہی ہوگا۔

مدلین لازم: اگر حرف میں حرف لین کے بعد سکون اصلی ہو تو اس کو مدلین لازم کہتے ہیں۔ جیسے عٓیٓنٓ یہ مد قرآن میں صرف دو مرتبہ آئی ہے۔ سورہ

(۱) سکون اصلی اس کو کہتے ہیں جو وقف و وصل میں سکون ہی رہے جیسے آٰلْـٰٔنَ میں لام کا سکون

مریم اور سورہ شوریٰ کے شروع میں حروف مقطعات میں واقع ہے کھیٰعص (مریم) حمٓ عسٓق (شوریٰ)

مدّلین لازم کی مقدار: مدّلین لازم میں طول توسط قصر ہوتا ہے اس مدّ میں طول اولیٰ ہے اس کے بعد توسط اور پھر قصر کا درجہ ہے۔

مدّوں کے قوی اور ضعیف ہونے کے لحاظ سے مدّوں کی ترتیب

سب سے قوی مدّ، مدّلازم ہے۔ اس کے بعد مدّمتصل اس کے بعد مدّعارض مدّمنفصل پھر مدّلین لازم پھر مدّلین عارض۔

وجوہاتِ مدّ کا بیان

مدّعارض اور مدّلین میں موقوف علیہ اگر مفتوح ہے تو چونکہ یہاں وقف بالاسکان ہوگا اس لیے مدّ کی تین وجہیں ہوں گی یعنی طول، توسط، قصر تینوں جائز ہیں۔

تعلمون: طول توسط قصر مع الاسکان

غَیرَ: قصر، توسط، طول مع الاسکان

مدّعارض اور مدّلین عارض کا موقوف علیہ اگر مکسور ہے تو چونکہ وقف دو طرح سے ہوگا یعنی وقف بالاسکان اور وقف بالروم۔ اس لیے مدّ کی وجہیں چھ نکلیں گی تین اسکان میں اور تین روم میں، جس میں چار وجہیں جائز اور دو ناجائز ہیں جیسے۔

الرّحیم: طول توسط۔ قصر مع الاسکان

طول۔ توسط قصر مع الروم

خوف: قصر۔ توسط۔ طول مع الاسکان

قصر۔ توسط۔ طول مع الروم

فائدہ: روم کی حالت میں مدّ اس لیے نہیں ہوتی کہ مدّ کا سبب سکون ختم ہو جاتا ہے اور حرف موقوف متحرک ہو جاتا ہے۔

مدّعارض اور مدّلین عارض میں موقوف علیہ اگر مضموم ہوگا تو وقف چونکہ تین طرح ہوگا یعنی وقف بالاسکان، وقف بالروم، وقف بالاشمام، اس لیے مدّ کی وجہیں نو نکلیں گی، تین اسکان میں تین روم میں، تین اشمام میں، جس

میں سات وجہیں جائز ہوں گی اور دو ناجائز جیسے

نستعین: طول۔ توسط۔ قصر مع الاسکان

طول۔ توسط۔ قصر مع الاشمام

طول توسط۔ قصر مع الروم

قوۡل: قصر۔ توسط۔ طول مع الاسکان

قصر۔ توسط۔ طول مع الاشمام

قصر۔ توسط۔ طول مع الروم

مدّ متصل اور مدّ منفصل کی مثالیں

اسماء۔ دو الف۔ ڈھائی الف۔ چار الف

وَمَاۤ اُنۡزِلَ۔ دو الف، ڈھائی الف، چار الف اور قصر

مدِّ لازم میں صرف طول ہی طول ہوتا ہے۔

مد کی ضربی وجوہات کے بیان میں

اگر کئی مدّیں جمع ہو جائیں تو اس کی دو قسمیں ہوں گی۔

(۱) یا تو ایک ہی قسم کی مدّیں جمع ہوں گی، (۲) یا مختلف ہوں گی

پہلی قسم میں عقل ضربی وجہیں چاہے کتنی ہی ہوں ان میں سے برابر کی وجہ جائز ہو گی جب کہ مقدار طول و توسط بھی برابر ہو باقی ناجائز ہے۔ مثلاً اگر دو مدّیں عارض جمع ہو جائیں تو موقوف علیہ مفتوح کی صورت میں عقل ضربی وجہیں نو نکلیں گی جس میں تین جائز اور چھ ناجائز ہیں۔

مدّ عارض	مدّ عارض
رَبِّ الْعٰلَمِیۡنَ	مُسۡتَقِیۡمَ
طول مع الاسکان	طول۔ توسط۔ قصر مع الاسکان
توسط مع الاسکان	طول توسط قصر مع الاسکان
قصر مع الاسکان	طول توسط قصر مع الاسکان

اس میں طول مع الطول۔ توسط مع التوسط اور قصر مع القصر جائز ہے۔ باقی طول مع التوسط طول مع القصر۔ توسط مع الطول۔ توسط مع القصر۔ قصر مع

الطول قصر مع التوسط ناجائز ہے۔

فائدہ: موقوف علیہ کے مکسور اور مضموم ہونے کی صورت میں عقلی وجہیں زیادہ نکلیں گی جائز وجہ نکالنے کے لیے مذکورہ قاعدہ پر قیاس کریں۔

مدِ متصل مدِ متصل کے ساتھ اور مدِ منفصل مدِ منفصل کے ساتھ جمع ہوں تو عقلی ضربی وجہوں کی مثالیں مثلاً اگر دو مدِ منفصل جمع ہوں تو عقلی وجہیں نو نکلیں گی جس میں صرف برابر کی تین جائز ہوں گی باقی ناجائز ہوں گی مثلاً

جَآءَ	جَآءَ		
	دو الف ✓	ڈھائی الف ✗	چار الف ✗
ڈھائی الف	〃 ✗	〃 ✓	〃 ✗
چار الف	〃 ✗	〃 ✗	〃 ✓

اگر دو مدِ منفصل جمع ہوں تو عقلی وجہیں سولہ نکلیں گی جن میں برابر کی سات چار جائز اور باقی سب ناجائز مثلاً

وَمَآ اُنزِلَ	اَلَآ اَنَّهُمْ			
دو الف	دو الف ✓	ڈھائی الف	چار الف	قصر
ڈھائی الف	〃 ✗	〃 ✓	〃 ✗	〃 ✗
چار الف	〃 ✗	〃 ✗	〃 ✓	〃 ✗
قصر	〃 ✗	〃 ✗	〃 ✗	〃 ✓

مختلف مدّوں کے جمع ہونے کی مثالیں

اگر مختلف مدّیں جمع ہوں یعنی قوی اور ضعیف تو اس صورت میں برابر وجہیں تو جائز ہی ہیں مگر جس صورت میں قوی مدّ ضعیف سے زیادہ ہو وہ بھی جائز ہے البتہ ضعیف کو قوی پر ترجیح دینا جائز نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس میں جائز وجہیں زیادہ نکلیں گی مثلاً مدّ عارض اور مدّ لین عارض جمع ہو جائیں تو عقلی ضربیں وجہیں نو نکلیں گی جس میں چھ وجہیں جائز اور تین ناجائز مثلاً

مدّ عارض	مدّ لین عارض
یَعْقِلُوْنَ	رَمَیْتَ

طول مع الاسکان	قصر ✓ ۔ توسط ✓ طول ✓ مع الاسکان
توسط مع الاسکان	قصر ✓ ۔ توسط ✓ ۔ طول ✗ مع الاسکان
قصر مع الاسکان	قصر ✓ ۔ توسط ✗ ۔ طول ✗ مع الاسکان

اس میں طول مع القصر مع التوسط اور مع الطول۔ توسط۔ مع التوسط مع القصر مع القصر جائز اور باقی سب ناجائز۔

فائدہ موقوف علیہ مضموم اور مکسور ہونے کی صورت میں ضربی وجہیں اور بھی زیادہ ہوں گی مگر جائز وجہ وہی ہوگی جو برابر ہو یا قوی کو ضعیف پر ترجیح ہو۔

اسی طرح مدّ متصل اور مدّ منفصل کے اکٹھے ہونے کی صورت میں عقلی ضربی وجہیں بارہ نکلیں گی جس میں برابر کی وجہیں اور جن وجوہات میں قوی کو ضعیف پر ترجیح ہو وہ جائز ہیں مثلاً

جاءَ	وَمَا اُنْزِلَ
دو الف	دو الف ✓ ۔ ڈھائی الف ✗ ۔ چار الف ✗ ۔ قصر ✓
ڈھائی الف	✓ ✓ ✗ ✓
چار الف	✓ ✓ ✓ ✓

ان میں نو وجہیں جائز ہیں اور باقی وجہیں ناجائز

فائدہ: مدّ متصل۔ مدّ عارض اور مدّ لین عارض یا اسی طرح مختلف جمع ہوں تو وہی وجہ جائز ہوگی جو طول توسط اور مقدار طول و توسط میں برابر یا قوی کو ضعیف پر ترجیح ہو۔

فائدہ: اگر مدّ متصل میں ہمزہ آخر میں ہو (۱) تو اس پر وقف کرنے سے مدّ کے دو سبب جمع ہو جائیں گے یعنی ہمزہ کی وجہ سے مدّ متصل اور ہمزہ کے سکون کرنے کی وجہ سے مدّ عارض کا لحاظ کر کے قصر نہیں کر سکتے طول یا توسط کریں گے اور روم کی صورت میں توسط ہوگا۔

وقف۔ سکتہ۔ ابتدا اور اعادہ کے بیان میں

وقف: لغوی معنی ٹھہرنا اور اصطلاحِ تجوید میں کلمے کے آخر حرف پر

سانس اور آواز کو روک کر اسکان [۲]، روم [۳]، اور اشمام [۴] سے ٹھہرنے کو وقف کہا جاتا ہے۔

لہٰذا موقوف علیہ کو ساکن کیے بغیر محض آواز اور سانس توڑ دینا وقف نہیں ہوگا نیز موقوف علیہ کو محض ساکن کرنا بغیر آواز اور سانس کو توڑے بھی وقف نہ ہوگا۔

سکتہ: لغوی معنی رکنا اور اصطلاحِ تجوید میں کسی حرف پر بغیر سانس توڑے تھوڑی دیر کے لیے آواز کو روک لینا سکتہ کہلاتا ہے۔

ابتدا: لغوی معنی شروع کرنا اور اصطلاحِ تجوید میں موقوف علیہ سے آگے پڑھنے کو ابتدا کہتے ہیں مثلاً رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر وقف کرکے الرَّحْمٰن سے شروع کرنا۔

اعادہ: لغوی معنی لوٹانا اور اصطلاحِ تجوید میں موقوف علیہ یا اس سے پہلے والے کلمے کو لوٹا کر پڑھنا

وقف کی دو قسمیں

(۱) کیفیت وقف، (۲) محل وقف

(۱) کیفیت وقف: موقوف علیہ کو کس طرح پڑھا جائے گا اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) موقوف علیہ ساکن ہوگا یا متحرک:

(۱) اگر ساکن ہے تو صرف آواز اور سانس توڑ کر وقف کریں جیسے اَلَمْ نَشْرَحْ (۲) اگر متحرک ہے تو جیسے حرکت ہوگی اس کے مطابق اسکان۔ روم اور اشمام سے وقف کیا جائے مثلاً يَعْلَمُوْنَ سے يَعْلَمُوْن قَوْمِ اور قَوْمٍ سے قَوْمْ۔ رَسُوْلٌ اور رَسُوْل

فائدہ: مندرجہ بالا مثالوں میں روم اور اشمام کی کیفیت استاد کو خود بتا دینی چاہیے۔ (۳) موقوف علیہ پر دو زبر ہوں تو وقف میں ان کو الف سے بدل

---

(۱) مَثَلاً مِنَ السَّمَاءِ مَايَشَاءُ

(۲) اسکان: جس حرف پر وقف ہو اس کو ساکن کردینا۔ یہ وقف تینوں حرکات میں ہوتا ہے۔

(۳) روم: جس حرف پر وقف کیا اس کی حرکت کا کچھ حصہ خفیف آواز میں پڑھنا۔ یہ کسرہ اور ضمہ میں ہوتا ہے

(۴) اشمام: جس حرف پر وقف کیا ہے اس کو ساکن پڑھتے ہوئے ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا۔ یہ صرف ضمہ میں ہوتا ہے۔

دیا جاتا ہے۔ (۴) موقوف علیہ اگر گول تا ہے تو وقف کی حالت میں ھا پڑھی جائے گی۔ جیسے وسیلۃ سے وسیلہ (۵) اگر موقوف علیہ لمبی تا ہے تو تا ہی رہے گی جیسے بَیِّنَتْ سے بَیِّنَتْ

(۲) محل وقف: یعنی کس کلمے پر وقف کرنا چاہیے اور کس پر نہیں کرنا چاہیے۔

اس وقف کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) تام (۲) کافی (۳) حسن (۴) قبیح

(۱) وقف تام: یعنی جس کلمے پر وقف کیا ہے اس کو اپنے بعد والے کلمے سے نہ تو تعلق لفظی ہو نہ معنوی جیسے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(۲) وقف کافی: یعنی جس کلمے پر وقف کیا ہے اس کو اپنے بعد والے کلمے سے معنوی تعلق ہے مگر لفظی نہیں جیسے وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ

وقف تام اور وقف کافی میں ابتدا ہوتی ہے یعنی اَلْمُفْلِحُوْنَ پر وقف کر کے اِنَّ الَّذِیْنَ سے یُوْقِنُوْنَ پر وقف کر کے اُولٰٓئِکَ سے ابتدا کریں۔

(۳) وقف حسن: یعنی جس کلمے پر وقف کیا ہے اس کو اپنے بعد والے کلمے سے تعلق لفظی ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پر وقف تو کر سکتے ہیں مگر رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے ابتدا نہیں کر سکتے بلکہ اعادہ ہوگا یعنی دوبارہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھیں گے۔

(۴) وقف قبیح: یعنی جس کلمے پر وقف کیا ہے اس کو اپنے بعد والے کلمے سے لفظی اور معنوی دونوں تعلق ہوں بسم اللہِ میں بسم پر اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں اَلْحَمْدُ پر اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں مٰلِکِ پر وقف کرنا اور یہ وقف کرنا جائز نہیں ہاں اگر اضطراری طور پر ہو جائے تو اعادہ ضروری ہے۔ پھر وقف کی بلحاظ وقف چار قسمیں ہیں۔

(۱) اختیاری، (۲) اضطراری، (۳) اختباری، (۴) انتظاری

اختیاری: یعنی قاری باوجودیکہ سانس ہے خود اپنی مرضی سے وقف کردے۔

اضطراری: یعنی کھانسی وغیرہ کے آجانے سے مجبوراً رک جانا۔

اختباری: یعنی استاد شاگرد کو امتحاناً ٹھہرائے کہ یہ موقوف کو کیسے پڑھتا ہے۔

انتظاری: یعنی کئی روایتوں کو پڑھنے کے لیے کسی کلمے پر وقف کرنا

فائدہ: محل وقف کی صحیح پہچان عربی قواعد اور معانی جانے بغیر مشکل ہے۔
لہذا ماہرین نے عوام کی سہولت کے لیے علاماتِ وقف لگا دی ہیں جو
تقریباً ہر قرآن مجید میں لکھ دی جاتی ہیں مگر ان میں سے پانچ علامتیں اوقاف
معتبرہ کے نام سے موسوم ہیں اور وہ یہ ہیں۔ O م ط ج ز
یعنی ان پانچ میں سے کسی پر بھی اگر وقف کیا جائے تو اعادہ کی ضرورت
نہیں بلکہ ابتدا کی جائے گی اس کے علاوہ جو رموز اوقاف ہیں ان پر وقف کرنے
سے اعادہ ضروری ہے۔

سکتہ

اس کی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے۔
روایتِ حفص کی رو سے قرآن پاک میں چار جگہ سکتہ ہے
(۱) سورہ کہف میں عوجا قیماً میں عوجا پر (۲) سورہ یٰسٓ کے مَن مَّرقَدِنَا
ھٰذا میں مَرقَدِنَا پر (۳) سورہ قیامتہ کے مَن رَاقٍ میں مَن پر (۴) سورہ مطففین
کے بَل رَانَ میں بَل پر
امالہ: کے لغوی معنی مائل ہونا اور اصطلاحِ تجوید میں زبر کو زیر کی طرف
اور الف کو یا کی طرف مائل کر کے پڑھنے کو امالہ کہتے ہیں۔
روایتِ حفص میں سارے قرآن پاک میں صرف ایک جگہ امالہ ہے یعنی
بسم اللہ مجرِھا میں اصل میں مجرٖھا ہے۔

لحن (یعنی غلط)

قرآن پاک کو تجوید کے خلاف پڑھنے کو لحن کہا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) جلی (۲) خفی
لحن جلی: یعنی بڑی اور واضح غلطی۔ لحن جلی چار قسم کی غلطیوں پر مشتمل
ہوتا ہے۔
(۱) مثلاً حرف کو حرف سے بدل دیا جیسے اَلحَمدُ کو اَلھَمدُ
(۲) حرکت کو حرکت سے بدل دیا جیسے اَنعَمتَ کو اَنعَمتُ
(۳) حرف کو گھٹا بڑھا دیا جیسے لَم یَلِد کو لم یالِد اور لَم یُولَد کو لَم یَلَدُ

(۴) ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر دیا جیسے جَعَلْنَا کو جَعَلَنَا اور جَعَلَنَا کو جَعَلْنَا پڑھ دیا۔

لحن جلی حرام غلطی ہے خواہ معنی بگڑیں یا نہ بگڑیں پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

لحن خفی: یعنی معمولی غلطی

یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب صفاتِ عارضہ میں غلطی کی جائے۔ مثلاً مفتوح راء کو پُر پڑھنا تھا مگر باریک پڑھ دیا یا ادغام، قلب اور اخفا میں غنہ کرنا تھا اور نہ کیا یہ معمولی غلطی ہے مگر اس سے بچنا بھی ضروری ہے

حروفِ قمریہ اور شمسیہ

حروفِ قمریہ: جن حروف سے پہلے لام تعریف پڑھا جائے تو ان کو حروفِ قمریہ کہتے ہیں حروف قمریہ چودہ ہیں جن کا مجموعہ ہے۔ اَبغِ حَجَّکَ وَخَفْ عَقِیمَہٗ جیسے اَلْاٰنَ. اَلْبُخْلُ. اَلْغُرُوْرُ. اَلْحَسَنَۃ. بِالْجُنُوْدِ. اَلْکَوْثَر. اَلْوَاقِعَہ. اَلْخَائِبِیْن. اَلْفَائِزُوْنَ. اَلْعَلِی. اَلْقَانِتِیْنَ. اَلْیَوْم. اَلْمُحْسِنَات. اَلْهِلَال.

حروف شمسیہ: جن حروف سے پہلے لام تعریف نہ پڑھا جائے بلکہ وہ اپنے بعد والے حرف میں مدغم ہو جائے تو ان کو حروف شمسیہ کہتے ہیں حروف شمسیہ بھی چودہ ہیں جو حروف قمریہ کے علاوہ ہیں۔

مثلاً: وَالصَّافَات. وَالذَّارِیَات. اَلثَّاقِبُ. اَلدَّاعِی. اَلتَّائِبُوْن. اَلزَّیْتُوْن. اَلسَّالِکِیْنَ. اَلرَّحْمٰن. اَلشَّمْسُ. اَلضَّالِّیْنَ. اَلطَّارِقُ. اَلظَّالِمِیْنَ. اَللّٰہُ. اَلنَّجْمُ

کیفیت تلاوت کے تین درجے:

(۱) ترتیل: یعنی بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا جیسے عام طور پر جلسوں وغیرہ میں پڑھا جاتا ہے۔

(۲) حدر: یعنی اتنی جلدی جلدی پڑھنا کہ حروف بآسانی گنے جائیں جیسے عموماً نماز تراویح میں پڑھا جاتا ہے۔

(۳) تدویر: یعنی ترتیل اور حدر کے درمیان درمیان پڑھنا جیسے عام طور پر

فرض نمازوں میں پڑھا جاتا ہے ان تینوں درجوں کے علاوہ پڑھنے سے حروف میں اکثر کمی بیشی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

تلاوت کے محاسن

نام	معنی
۱۔ ترتیل	قرآن پاک خوب ٹھہر ٹھہر کر تمام قواعد تجوید کی رعایت کر کے پڑھنا
۲۔ تجوید	حروف کو ان کے مخارج سے مع جمیع صفات ادا کرنا
۳۔ تبیین	یعنی ہر حرف کو واضح اور صاف طور سے ادا کرنا
۴۔ ترسیل	ہر حرف کو ایسے ہی ادا کرنا جیسے کہ اس کا حق ہے
۵۔ توقیر	قرآن پاک نہایت خشوع وخضوع اور پورے وقار سے پڑھنا
۶۔ تحسین	لحن عرب کے موافق تجوید کی پوری رعایت کر کے پڑھنا

تلاوت کے عیوب

نام	معنی	حکم
۱۔ تمطیط:	یعنی ترتیل میں مدات و حرکات وغیرہ میں حد سے زیادہ دیر کرنا	مکروہ
۲۔ تخلیط:	اس قدر جلدی کرنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں	حرام
۳۔ تنفیش:	حرکات کو پورا نہ ادا کرنا	مکروہ
۴۔ تمضیغ:	حرکات کو چبا چبا کر پڑھنا	مکروہ
۵۔ تطنین:	گنگنی آواز سے پڑھنا اور ہر حرف کو ناک میں لے جانا	حرام
۶۔ تمییز:	ہر حرف میں ہمزہ ملا دینا	حرام
۷۔ تعویق:	کلمے کے درمیان میں وقف کر کے بعد سے ابتدا کرنا	حرام
۸۔ وثبہ:	پہلے حرف کو ناتمام چھوڑ کر	مکروہ

	دوسرے حرف کو شروع کر دینا	
۹۔ عنعنہ:	ہمزہ یا کسی اور حرف کے ساتھ عین کی آواز ملا دینا	حرام
۱۰۔ ہمہمہ:	کسی حرف مخفف کو مشدد پڑھنا	حرام
۱۱۔ زمزمہ:	گانے کے طور پر پڑھنا	حرام
۱۲۔ ترقیص:	آواز کو نچانا یعنی کبھی بلند کرنا اور کبھی نیچی کرنا اگر تجوید کے مطابق ہے تو	مکروہ وگرنہ حرام

رموز و اوقاف:

قرآن شریف کی تلاوت کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کہاں ٹھہرنا چاہیے اور کہاں نہیں قرآن میں صحیح پڑھنے کے لیے خاص خاص علامات مقرر ہیں جنہیں رموز و اوقاف کہا جاتا ہے:

م۔ (وقف لازم) یہاں ٹھہرنا ضروری ہے ورنہ عبارت کا مطلب الٹ ہو جائے گا۔

ط۔ (وقف مطلق) یہاں سے گزرنا نہیں چاہیے بغیر وقفہ کے مگر کوئی نہ ٹھہرے تو بھی جائز ہے مطلب تبدیل نہ ہوگا۔

ج۔ (وقف جائز) یہاں ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں طرح صحیح ہے مگر ٹھہر جانا بہتر ہے۔

ز۔ (وقف مجوز) یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص۔ (وقف مرخص) یہاں ملا کر پڑھنا چاہیے مگر تھک جانے کی صورت میں ٹھہرنا جائز ہے۔ وقف مجوز کی نسبت یہاں وصل کو ترجیح ہے۔

ق۔ (قیل علیہ الوقف) یہاں ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں طرح درست ہے مگر نہ ٹھہرنا بہتر ہے اس کو "قلے" کی علامت سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔

لا۔ (لاوقف علیہ) یہاں ٹھہرنا درست نہیں بلکہ اگر بھولے سے وقف ہو جائے تو اعادہ ہے۔

قف۔ یہاں ٹھہرنا بہتر ہے۔

سکتہ۔ اس جگہ آواز توڑ دے سانس نہ توڑے

وقفہ۔ لمبے سکتہ کی علامت ہے اس جگہ ذرا دیر تک آواز کو توڑے رکھے۔
سکتہ وصل سے قریب تر ہوتا ہے اور وقفہ وقف سے۔

صل قد یوصل۔ یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

صلے الوصل اولی۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

∴ ∴ ۔ اگر کوئی عبارت ایسے تین نقطوں کے درمیان ہو تو پہلے تین نقطوں پر ٹھہرنا اور دوسرے تین نقطوں پر نہ ٹھہرنا یا اس کے برعکس عمل کرنا چاہیے اس قسم کی عبارت کو معانقہ یا مراقبہ کہا جاتا ہے۔

۵۔ غیر کوفی آیت کا نشان ہے یہاں دونوں طرح درست ہے ٹھہرنا بھی اور نہ ٹھہرنا بھی مگر اس پر کوئی اور علامت ہو تو اسی کا اعتبار کرنا چاہیے۔

حکومت سعودیہ کی طرف سے شائع ہونے والا قرآن میری نظر سے گزرا اس میں وقف مطلق، وقف مجوز، وقف مرخص، قف اور صل قد یوصل کی علامات مذکور نہیں۔

علم تجوید سے متعلق بعض دیگر معلومات:

۱) سورہ کہف کے پانچویں رکوع میں ہے "لکنا ھواللہ" یہاں لفظ "لکنا" میں الف لکھا ہے مگر یہ پڑھا نہیں جاتا البتہ اگر اس پر کوئی وقف کر دے تو پڑھا جائے گا۔

۲) سورہ دھر کے شروع میں "سلاَ سِیلاَ" دوسرے لام کے بعد بھی الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا البتہ وقف کی حالت میں الف کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں طرح درست ہے اور پہلے لام کے بعد جو الف لکھا ہوا ہے وہ ہر حال میں پڑھا جائے گا۔

۳) سورہ دھر میں "قواریرا قواریرا" دو مرتبہ ہے اور دونوں کے آخر میں الف لکھا ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسری جگہ تو کسی صورت میں الف نہیں پڑھا جاتا البتہ پہلی جگہ اگر وقف کیا جائے تو الف پڑھا جائے گا اور وقف نہ کرنے کی صورت میں الف نہیں پڑھا جائے گا۔

۴) قرآن میں ایک جگہ امالہ ہے سورہ ھود کی آیت کے اس حصہ میں

"بسم اللہ مجریھا" اس میں حرف "ر" کو ایسے پڑھیں گے جیسے لفظ قطرے کی راہ کو پڑھتے ہیں۔ اسی کو امالہ کہتے ہیں جس کو فارسی میں یائے مجہول کہا جاتا ہے۔

۵) "نٓ والقلم" اور "یٰسٓ والقرآن الحکیم" میں نون اور سین کے بعد جو واؤ ہے یرملون کے قاعدے کے مطابق ادغام ہونا چاہیے مگر نہیں ہوتا اگرچہ بعض قرا مثلاً کسائی ادغام کرتے ہیں۔

۶) چار الفاظ قرآن مجید میں ہیں کہ لکھے تو "ص" سے جاتے ہیں مگر اس کے اوپر چھوٹا سا "س" بھی لکھ دیتے ہیں سورہ بقرہ میں "یبصطُ" اور سورہ اعراف میں "فی الخلق بصطۃ" ان دونوں جگہ "ص" کے بجائے "س" سے پڑھنا چاہیے۔ سورہ طور میں "ام ھم المصیطرون" چاہے "س" سے پڑھا جائے یا "صاد" سے سورہ غاشیہ میں "بمصیطر" صاد سے پڑھا جائے۔

۷) سورہ الفاتحہ میں "صراط" چاہے "ص" سے پڑھیں یا "س" سے۔ دونوں طرح جائز ہے۔ اسی طرح "مالک یوم الدین" اور "ملک یوم الدین" دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔

۸) بقول امام حفص کئی مواقع قرآن مجید میں ایسے ہیں کہ "لا" لکھا ہوا ہے مگر "ل" پڑھا جاتا ہے۔ سورہ آل عمران میں "لَاالی اللہ تحشرون" سورہ توبہ میں "ولا اوضعو" سورہ نمل میں "اولا اذ بحنہ" سورہ والصّٰفّٰت میں "لاالی الجحیم" سورہ حشر میں "لا انتم اشد" نیز سورہ آل عمران کے پندرھویں رکوع میں "افائن" لکھا جاتا ہے جب کہ پڑھا "افئن" جاتا ہے۔ چند مقامات پر "ملائہ" لکھا جاتا ہے مگر پڑھا "ملئہ" جاتا ہے۔ سورہ کہف کے چوتھے رکوع میں لکھا ہوا "لشای" ہے اور پڑھا "لشیٔ" جاتا ہے۔ بعض جگہ لکھا ہوا "نبای" ہے اور پڑھنے میں "نبیٔ" آتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آگے اس پر بحث کریں گے۔

۹) تین مقامات پر "ایّھا" میں "ھا" کے بعد الف مکتوب نہیں "ایہ المومنون" (سورہ نور) یایہ السحر (سورہ زخرف) ایہ الثقلٰن (سورہ رحمٰن) بصری اور کسائی حسب اصل الف پر اور باقی حضرات حسب مکتوب ہائے ساکنہ پر وقف کرتے ہیں۔

۱۰) باکا میم میں "یٰبنی ارکب معنا" کے اندر بصری، عاصم اور کسائی بلا

خلاف اور قالون، بزی اور خلاد تینوں حضرات بخلاف باکا میم میں ادغام کرتے ہیں ان کے لیے دونوں وجوہ صحیح و مشہور ہیں۔ متعدد آئمہ قرا کا یہی کہنا ہے کہ اظہار اور ادغام دونوں طرح قرات صحیح ہے۔

۱۱) چودہ مقامات پر "لبثت" اور "لبثتم" کے اندر "ثا" کا "تا" میں ادغام کرتے ہیں یہ بصری، شامی، ہمزہ اور کسائی کا مسلک ہے جب کہ باقی حضرات باظہار کرتے ہیں۔

۱۲۔ هُزُواً غیر حفص ہمزہ سے هزواً اور کُفُواً اور حفص واؤ سے پڑھتے ہیں اور حمزہ "ز" اور "ف" کے سکون سے حَزوًا اور کُفوًا اور غیر حمزہ ضمہ سے پڑھتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ جب کسی حرف پر تنوین ہو اور اس حرف کے بعد ہمزہ وصلی ہو یا بعد والا لفظ معرف باللام ہو تو نون کو زیر کے ساتھ کھول کر پڑھتے ہیں مثلاً "قل هو الله احدO الله الصمد" میں احد کے دال پر تنوین ہے اور بعد والا لفظ معرف باللام ہے لہٰذا جب اس کو ملا کر پڑھیں گے تو یوں پڑھنا ہوگا "قل هو الله احدٌ نِ الله الصمد"

قرآن کی کتابت میں زائد حروف؟

قرآن میں بعض الف وغیرہ زائد ہیں جو لکھنے میں آتے ہیں پڑھنے میں نہیں آتے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں یہ حروف زائد کیوں اور کب لکھے گئے؟ ہمارا نظریہ ہے کہ یہ حضرت عثمان کے دور میں ہوا جب قرآن لکھا جا رہا تھا اور یہ حکام کی کوتاہی کا نتیجہ ہے جب مصحف کی تیاری سے فراغت ہو گئی تو وہ حضرت عثمان کے پاس لایا گیا حضرت عثمان نے اس پر نظر ڈال کر کہا کہ یہ بہت اچھا اور نہایت عمدہ کام ہوا ہے میں اس میں کچھ غلطی دیکھتا ہوں جس کو ہم اپنی زبانوں کے ساتھ درست کر لیں گے۔ جب انھیں جیسی غلطیوں کے بارے میں حضرت ابن عباس سے شکایت کی گئی تو آپ نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ کاتب کتابت کے وقت اونگھ رہا تھا بعد میں ان غلطیوں کی اصلاح اس خوف سے نہیں کی گئی کہ ہر کوئی اپنی مرضی کے مطابق قرآن کے الفاظ میں اصلاح نہ کرنے لگے لہٰذا یہ غلطیاں جوں کی توں رہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علم تجوید میں شیعہ سنی میں کوئی اختلاف نہیں جو بھی اختلاف ہے وہ عوام کا پھیلایا ہوا ہے جو کہ جہالت پر مبنی ہے ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔

صفحہ نمبر ۷۶ سے ماخوذ

باب پنجم

سبعه قرأت

بنا بر اظہر ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس بن مجاہد نے تیسری صدی ہجری کے آغاز میں بغداد میں بیٹھ کر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے علمائے قرات میں سے سات قاریوں نافع، عبداللہ بن کثیر، ابو عمر بن علاء، عبداللہ بن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی کا انتخاب کیا۔ اکثر شیعہ علمائے کرام کی رائے یہی ہے کہ مذکورہ سات افراد نے جس طرح قرآن پڑھا ہے نماز میں اسی طرح تلاوت کرنا چاہیے بلکہ بعض افراد نے اس مسئلہ پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے اگرچہ بعض علما کا کہنا ہے کہ نماز میں ہر اس تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھنا درست ہے جس کے لغت عرب اور عثمانی قرآنوں میں سے کسی کے مطابق ہونے کا یقین حاصل ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کا نماز میں ہر اس قرات کے ساتھ پڑھنا درست ہے جو اہل بیت اطہار علیہم السلام کے زمانے میں مشہور تھی لہٰذا قرآن پڑھنے کے سلسلے میں صرف سات یا دس قاری حضرات کی پیروی کرنا قطعاً مناسب نہیں البتہ ایسی قرات پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا جو شاذ و نادر ہو۔ مثال کے طور پر "ملک یوم الدین" میں "ملک" کے لئے صیغہ ماضی کا ہو اور "یوم" پر زبر ہو یہ شاذ اور غیر معروف ہے اسی طرح انما یخشی اللہ من عبادہ العلما میں لفظ "اللہ" پر پیش اور العلما پر زبر دیا گیا ہے یہ جعلی قرات ہے جو خزاعی کے ہے اور ابو حنیفہ سے منقول ہے۔ سات قاری حضرات کے قرات کو عام طور سے "سبعہ قرات" کہا جاتا ہے امامیہ کے نزدیک یہ قراتیں متواتر نہیں بلکہ بعض قراتیں تو قاری کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ ہیں اور بعض قراتیں خبر واحد کے ذریعے منقول ہیں اس کے باوجود ہمارے یہاں عموماً قرآن انہیں سات قراتوں کے مطابق پڑھا جاتا ہے کیونکہ ہمارے آئمہ نے منع نہیں فرمایا۔

مشہور قاری سات ہیں۔ ان کے ساتھ تین قاری اور ہیں۔ مجموعی طور پر دس قاری بن جاتے ہیں۔ اب ہم قاری حضرات کے مختصر حالات زندگی بیان کر رہے ہیں تاکہ نوجوانوں کو ان کے بارے میں بھی آگاہی حاصل ہو۔

۱۔ عبداللہ بن عامر دمشقی:

ابو عمران عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ دمشق میں پیدا ہوا سن ولادت میں اختلاف ہے بنا بر اظہر ۲۱ھ کو ولادت صحیح مانی گئی ہے۔ ابوالہاشم، مغیرہ بن ابی شہاب، عبداللہ بن عمر بن مغیرہ مخزومی تلمیذ حضرت عثمان سے قرات پڑھیں۔ بلال بن ابی الدرداؑ کی وفات پر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت میں آپ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔

ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ بن ابان اور ابو عمرو عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان فہری سند کے ذریعے انھیں کی قرات روایت کرتے ہیں۔ ابوالولید ہشام ۱۵۳ھ کو پیدا ہوا اور ۲۴۵ھ کو فوت ہوا جب کہ ابو عمرو عبداللہ کی ۱۷۳ کو پیدائش اور ۲۴۲ھ کو وفات ہے۔ دونوں دمشق میں ہی مرے۔ ہشام نے بھی ایوب بن تمیم سے اور ابو عمرو عبداللہ نے بھی ایوب بن تمیم ہی سے قرات سیکھی۔

عبداللہ بن عامر دمشقی کا انتقال ۱۱۸ھ کو دمشق میں ہوا آپ کا لقب یحصبی تحریر کیا جاتا ہے

۲۔ ابن کثیر مکی:

ابو معبد عبداللہ بن کثیر بن عمرو بن عبداللہ بن زاذان بن فیروزان بن ہرمز داری ۴۵ھ کو مکہ میں پیدا ہوا۔ اس نے ابوالسائب عبداللہ بن السائب بن ابی السائب مخزومی سے قرآن پڑھا جب کہ درباس غلام حضرت ابن عباس سے بھی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ عطر وغیرہ خوشبویات کی تجارت کرتے تھے اسی وجہ سے داری کہلاتے ہیں۔ اہل مکہ عطار کو داری کہتے ہیں۔

ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بن القاسم بن البزہ بن نافع بن ابی بزہ مخزومی معروف بہ بزی اور ابو عمر محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن خالد بن سعید بن جرجہ مخزومی ملقب بہ قنبل نے کئی واسطوں سے اس کی قرات نقل کی ہے۔ بزی ۱۷۰ھ کو مکہ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۰ھ کو مکہ ہی میں انتقال کیا جب کہ قنبل ۱۹۵ھ کو مکہ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۱ھ کو مکہ میں وفات پائی۔

ابن کثیر مکی نے ۱۲۰ھ کو مکہ میں وفات پائی۔

۳۔ عاصم کوفی:

ابو بکر عاصم بن ابی النجود (وا بن بھدلہ) اسدی کوفی نے ابو عبدالرحمن عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ سلمی اور ابو عمر سعد بن الیاس شیبانی سے قرآن پڑھا۔ یہ دونوں تابعی تھے اور بلاواسطہ حضرت عثمان اور حضرت علی علیہ السلام کے شاگرد رہے۔

عاصم کی قرات کو ابو بکر شعبہ بن عیاش بن سالم اسدی اور ابو عمر حفص بن سلیمان بن مغرہ اسدی نے نقل کیا ہے۔ ابو بکر شعبہ ۹۵ھ کو پیدا ہوا اور ۱۹۳ھ کو کوفہ میں انتقال کیا جب کہ حفص کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ ۹۰ھ کو پیدا ہوا اور ۱۸۰ھ کو کوفہ ہی میں اس نے وفات پائی۔ حفص کی پرورش عاصم ہی نے کی تھی۔ حفص کا یہ قول مشہور ہے کہ میں نے سورہ روم کے ایک حروف کے علاوہ قرات میں کسی اور مقام پر عاصم سے اختلاف نہیں کیا اور وہ حرف سورہ روم کی آیت نمبر ۳ "اللہ الذی خلقکم من ضعف" میں "ض" ہے میں اسے پیش کے ساتھ پڑھتا ہوں جب کہ عاصم زبر کے ساتھ پڑھتا تھا یہ حفص نقل حدیث میں کمزور مانا جاتا ہے۔

عاصم کوفی نے ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ کو کوفہ میں وفات پائی۔ باعتبار طبقات ورجال آپ ابن عامر کے بعد اور باقی سب سے مقدم ملتے جاتے ہیں۔

۴۔ ابو عمر بصری:

ابو عمرو زبان بن علاء بن عمار بن عریان بن عبداللہ بن حصین بن حارث مازنی بصرہ میں ۶۸ھ کو پیدا ہوا۔ اس نے امام ابو جعفر امام ابو روح، ابن کثیر، مجاہد اور عکرمہ بن خالد سے قرآن پڑھا۔ سات مشہور قاریوں میں سے کسی کے بھی اتنے استاد نہیں تھے۔ ان میں سے اکثر نے عبداللہ ابن عباس سے پڑھا تھا اور قریباً تمام جماعت حضرت عثمان، حضرت علی علیہ السلام اور حضرت ابوموسیٰ کی بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد تھی۔

آپ کی قرات کو ابو عمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز بن صہبان ازدی دوری اور ابو شعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ سوسی نے نقل کی ہے ابو عمر حفص ۱۵۰ھ کو بغداد میں موضع دور کے علاقے میں پیدا ہوئے اور ۲۴۶ھ کو

سامرہ میں انتقال کیا جب کہ ابو شعیب صالح سوس جو کہ اہواز کا موضع ہے میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ کو وہیں وفات پائی۔ اکثر کی رائے یہی ہے کہ یہ حفص قابل اعتماد ہے۔

۵۔ حمزہ کوفی:

ابو عمارہ حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسماعیل الزیات کوفی تمیمی ۸۰ھ کو کوفہ میں پیدا ہوا۔ اس نے ابو محمد سلیمان بن مہران الاعمش ابو حمزہ حمران بن اعین شیبانی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآن پڑھا

آپ کی قرآت کو ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب بن غراب بغدادی اور ابو عیسی خلاد بن خالد صیرفی کوفی شیبانی نے ابو عیسیٰ سلیم بن عیسیٰ حنفی کوفی کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ خلف ۱۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۲۹ھ کو انتقال کیا جب کہ خلاد نے ۲۲۰ھ کو وفات پائی۔

سفیان ثوری، حمزہ کوفی کے شاگرد تھے۔ آپ کوفہ سے زیتون حلوان لے جاتے تھے اور وہاں سے پنیر و اخروٹ کوفہ لاتے تھے یہی ذریعہ معاش تھا آپ نے ۱۵۶ھ کو حلوان میں وفات پائی۔

۶۔ نافع مدنی:

ابو رویم نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم مدنی، اصل میں اصفہانی ہیں آپ سیاہ فام تھے قریباً ۷۰ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ستر تابعین سے قرآن پڑھا۔

آپ کی قرات کو ابو موسیٰ عیسیٰ بن مینا بن وردان بن عیسیٰ مدنی زرقی ملقب بہ قالون اور ابو سعید عثمان بن سعید بن عبداللہ قبطی مصری ملقب بہ ورش نے نقل کیا ہے۔ قالون رومی لغت میں "عمدہ" کو کہتے ہیں اس کو نافع ہی نے پالا تھا۔ قالون ۱۲۰ھ کو مدینہ میں پیدا ہوا اور ۲۲۰ھ کو مدینہ میں ہی فوت ہوا جب کہ ورش ۱۱۰ھ کو مصر میں ہوئے اور ۱۹۷ھ کو مصر میں ہی فوت ہوئے۔

قالون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اصل میں رومی تھا اور اس کا پردادا رومیوں کا غلام تھا۔ اس کے متعلق خاص بات یہ ہے کہ قالون گونگا تھا اور وہ

لبوں کے اشاروں سے قرآن پڑھتا اور ہونٹوں کے اشارے سے ہی لوگوں کو قرات کی اغلاط کی طرف متوجہ کرتا تھا۔
نافع مدنی ۱۶۹ھ کو مدینہ میں فوت ہوا۔

۷: کسائی کوفی:

ابوالحسن علی بن حمزہ اسدی کوفی کسائی قریباً ۱۱۹ھ کو کوفہ میں پیدا ہوا یہ اصلاً فارسی تھا حمزہ کوفی سے اس نے قرات سیکھی اور اسی سے اس نے چار مرتبہ قرآن پڑھا۔ کسائی نے پہلے خلیل بن احمد بصری سے نحو سیکھی۔ کسائی ہارون رشید اور اس کے بیٹے امین کا استاد بھی رہا۔

آپ کی قرات کو ابوالحارث لیث بن خالد نحوی مروزی بغدادی اور ابو عمر حفص عمر دوری نے نقل کیا ہے لیث ۲۴۰ھ کو فوت ہوا۔ ابو عمر حفص بن عمر دوری کا ذکر ہم ابو عمرو بصری کے حالات کے ذیل میں کر آئے ہیں۔

کسائی کوفی نے ۱۸۹ھ کو ہارون کے ساتھ "رے" جاتے ہوئے موضع رنبویہ میں وفات پائی۔

۸۔ خلف بن ہشام بزار:

خلف کے بارے میں ہم حمزہ کوفی کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔ اس کی قرات کو اسحاق بن ابراہیم بن عثمان اور ابوالحسن ادریس بن عبدالکریم حداد بغدادی نے نقل کیا ہے۔

اسحاق ۲۸۶ھ کو اور ادریس ۲۹۶ھ کو فوت ہوا۔ یہ ادریس امام احمد ابن حنبل کے شاگرد تھے۔

۹۔ یعقوب بن اسحاق حضرمی:

ابو محمد یعقوب بن اسحاق بصری نے شہاب بن شرنفہ مجاشعی سے پانچ دن اور سلام سے ڈیڑھ سال قرات سیکھی۔ شہاب نے نو دن مسلمہ بن محارب حاربی سے اور مسلمہ نے ابوالاسود دوئلی سے اور اس نے مولا علی علیہ السلام سے قرات سیکھی۔

اس کی قرات کو رویس اور روح نے نقل کیا ہے ابو عبداللہ رویس محمد بن متوکل لولو بصری نے یعقوب حضرمی سے قرات سیکھی۔ اس نے ۲۳۸ھ

کو وفات پائی۔ ابوالحسن روح بن عبدالمؤمن حذلی نے ۲۳۴ھ یا ۲۳۵ھ کو وفات پائی:

۱۰۔ یزید بن قعقاع:

ابو جعفر یزید بن قعقاع کا تعلق قبیلہ مخزوم سے تھا اور یہ مدینہ کا رہنے والا تھا اس نے عبداللہ بن عیاش، عبداللہ بن عباس، اور ابو ہریرہ سے قرات سیکھی۔

یزید بن قعقاع کی قرات کو ابوالحارث عیسیٰ بن وردان مدنی المعروف بہ حذا اور ابن جماز سلیمان بن مسلم بن جماز نے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ کا انتقال ۱۶۰ھ کو اور ابن جماز کا انتقال ۱۷۰ھ کو ہوا۔

یزید بن قعاع ۱۳۰ھ کو مدینہ میں فوت ہوا۔

بعض دیگر قاری حضرات کا ذکر

(۱) ابن مجاہد: ابوبکر احمد بن موسیٰ بغدادی ۲۴۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۲۴ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

(۲) الاخفش: ابو عبداللہ ہارون بن موسیٰ دمشقی، ابن ذکوان کے بعد مسند علمی پر بیٹھے۔ آپ ۲۹۲ھ کو فوت ہوئے۔

(۳) جوہری: ابوبکر محمد بن شاذان جوہری بغدادی خلاد کا ممتاز شاگرد تھا۔ اس نے ۲۸۶ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

(۴) ابوالحسن: ابوالحسن طاہر بن عبدالمنعم بن عبیداللہ جلی علم قرات کے امام مانے جاتے ہیں۔ آپ ۳۹۹ھ کو مصر میں فوت ہوئے۔

(۵) اشنانی: ابوالعباس احمد بن سہل اشنانی قابلِ اعتبار مانے جاتے ہیں آپ نے ۳۰۷ھ کو وفات پائی۔

(۶) ازرق: ابو یعقوب یوسف بن عمر مدنی مصری نے بیس مرتبہ ورش سے قرآن پڑھا۔ ۲۴۰ھ کے قریب آپ نے وفات پائی۔

(۷) نحاس: ابوالحسن اسماعیل بن احمد مصری روایت ورش کے جلیل القدر محقق مانے جاتے ہیں آپ نے ۲۸۰ھ سے قبل وفات پائی۔

(۸) خاقانی: ابوالقاسم خلف بن ابراہیم خاقانی مصری علامہ دانی کے شیخ تھے۔ آپ نے ۴۰۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۹) ابوالفتح: ابوالفتح فارس بن احمد ضریر مقری بھی علامہ دانی کے شیخ تھے۔ آپ نے ۴۰۱ھ کو وفات پائی۔

(۱۰) ابن جریر: ابو عمران موسیٰ بن جریر رقی ضریر نحوی بے شمار تلامذہ کے استاد مانے جاتے ہیں آپ نے ۳۱۶ھ کو وفات پائی۔

بعض آیات کی قرات میں اختلاف:

قرآن مجید میں کچھ آیات ایسی ہیں جو مختلف انداز سے پڑھی جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض کا ذکر ہم باب چہارم میں کر چکے ہیں مگر کچھ آیات کا تذکرہ ہم ذیل میں بھی کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

(۱) "الحمد للہ" میں حمد کے دال کو مبتدا ہونے کے لحاظ سے پیش مصدر (مفعول مطلق) ہونے کے اعتبار پر زبر اور اس رعایت سے کہ دال "للہ" کے لام کی حرکت کا پیرو ہے زیر دے کر پڑھا جاتا ہے۔

(۲): رب العلمین" میں "رب" کو صفت ہونے کی وجہ سے زیر کے ساتھ مبتدا مضمر مان کر اور اسے اضافتِ توصیفی منقطع کر کے پیش کے ساتھ اور اسی قطع اضافت کی بنیاد پر کسی فعل کے اضمار یا اس کے منادیٰ ہونے کا خیال کر کے نصب کے ساتھ بھی قرات کیا گیا ہے۔

(۳) "الرحمٰن الرحیم: سورہ فاتحہ میں مذکورہ بالا ہر سہ وجوہ اعراب کے ساتھ قرات کر سکتے ہیں۔

(۴) "اثنتا عشرہ عینا" میں "ش" کے سکون کے ساتھ جو کہ تمیم کی لغت ہے اس کے زیر کے ساتھ جو کہ حجاز کی لغت ہے اور اس کے زبر کے ساتھ جو کہ بلے نامی قبیلے کی لغت ہے تینوں طرح اس کی قرات ہوئی ہے۔

(۵) آیتِ وضو "وامسحوا بروسکم وارجلکم" میں "ارجل" کے لام کو "ایدی" پر عطف کرنے کے لحاظ سے نصب (زبر) "بروسکم" پر عطف کی وجہ سے زیر اور خبر محذوف (جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے) کا مبتدا مان کر پیش کی ساتھ پڑھا گیا ہے۔

(۶) "کوکب دری" میں "دری" کی قرات حرفِ دال کی زیر، زبر اور پیش تینوں حرکت کے ساتھ کی گئی ہے۔

(۷) زبوراً کو حمزہ "ز" کے پیش سے اور باقی قراز بر سے پڑھتے ہیں۔

(۸) "المخلصین" اگر جمع اور معرف باللام ہو تو مکی و بصری و شامی لام کے زیر سے "المخلصین" اور باقی لام کے زبر سے پڑھتے ہیں اگر جمع یا معرف باللام نہ ہو تو زیر پر اجماع ہے جیسے مخلصاً اور مخلصین وغیرہ مگر قرا کوفہ "انہ کان مخلصاً" کو زبر لام پڑھتے ہیں۔

(۹) "نعم" کسائی "ع" کے زیر سے اور باقی اس کو زبر سے پڑھتے ہیں۔

(۱۰) "قرآن" مکی حرکتِ ہمزہ "ر" پر نقل کرکے ہمزہ کو ساقط کر دیتے ہیں اور باقی ہمزہ سے پڑھتے ہیں اس طرح "قران" اور "قرآن" دونوں تلفظ درست ہوئے۔

سات حروف کی تفسیر

سنی روایات بتاتی ہیں کہ قرآن سات حروف میں نازل کیا گیا ہے اس روایت کو قریباً اکیس صحابہ نے روایت کیا ہے دلچپ بات یہ ہے کہ کوئی راوی آلِ رسول سے نہیں اور اس حدیث کے معنیٰ میں خود سنی علما چالیس سے زیادہ اقوال نقل کرتے ہیں عام تاثر یہی لیا جاتا ہے کہ اس سے مراد سات قرآتیں ہیں حالانکہ قرآن کے کلمات میں بعض کلمات ایسے بھی ہیں جن کی قرات سات سے زائد وجوہ پر ہوتی ہے۔

ہم یہی سمجھتے ہیں کہ قرآن کا سات حروف میں نازل ہونا کوئی صحیح معنیٰ نہیں رکھتا اس لیئے ان تمام روایتوں کو جو سات حروف پر دلالت کرتی ہیں رد کرنا ضروری ہے خصوصاً جب اہل بیت علیہم السلام کی احادیث بھی اس کی تکذیب کریں اور یہ ثابت کریں کہ قرآن صرف ایک حرف میں نازل ہوا ہے اور اختلاف راویوں کا ایجاد کردہ ہے۔ پس "نزل القرآن علیٰ سبعہ احرف" والی روایت اصل کے خلاف ہے۔ فضیل بن یسار نے حضرت امام جعفر صادق سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ "دشمنانِ خدا جھوٹ بولتے ہیں قرآن کو صرف ایک حرف میں اور ایک ذات کی طرف سے نازل کیا گیا۔"

باب ششم

ناسخ و منسوخ آیات

[illegible] ناسخ اور منسوخ کیا ہے۔ نسخ کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ لغت میں نسخ ایک جگہ لکھی ہوئی بات کو نقل کرکے دوسری جگہ لکھنے اور اتارنے کو کہا جاتا ہے چنانچہ "استنساخ" اور "انتساخ" بھی اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ دراصل نسخ کے معنیٰ ایک چیز کو زائل کرکے دوسری کو اس کی جگہ پر لانے کے ہیں جیسے دھوپ کا سائے کو اور سائے کا دھوپ کو زائل کرکے اس کی جگہ لے لینا یا جوانی کا زوال اور بڑھاپے کا آنا نیز کبھی اس سے صرف ازالہ کے معنیٰ مراد ہوتے ہیں جب کہ اصطلاحاً یہ لفظ کسی ثابت امرِ شرعی کو اسی کی مدت ختم ہونے کی وجہ سے اٹھانے کے لیے استعمال ہوتا ہے چاہے وہ برطرف حکم کوئی حکم تکلیفی ہو جیسے وجوب وغیرہ یا حکم وضعی ہو جیسے صحیح ہونا وغیرہ چاہے وہ برطرف شدہ امر الٰہی منصب اور عہدوں میں سے ہو یا کوئی اور چیز ہو جس کی برگشت بہ حیثیت شارع خدا کی طرف ہو جس کی مثال نسخ فی التلاوہ ہے۔

نسخ کے واقع ہونے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ گزشتہ شریعتوں کے بہت سے احکام شریعت اسلام کے احکام کے ذریعے منسوخ ہوگئے اور شریعتِ اسلام ہی کے کچھ احکام شریعتِ محمدی کے چند دوسرے احکام کے ذریعے نسخ ہوئے چنانچہ اس بات کی تصریح خود قرآن کررہا ہے کہ نماز میں قبلہ اول کی طرف رخ کرنے کا حکم منسوخ ہوگیا ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

اہل اسلام میں اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا قرآن کے بعض احکام، قرآن یا سنت قطعیہ یا اجماع یا عقل کی وجہ سے نسخ ہو سکتے ہیں؟ بڑے بڑے اسلامی مفکرین نے اس ناسخ و منسوخ کی تشہیر کو سرے سے مسترد کردیا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی واضح ارشاد موجود نہیں۔ مشہور شیعہ مجتہد آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی اعلی اللہ مقامہ کا یہی کہنا ہے کہ "جن آیات میں نسخ کا دعویٰ کیا گیا ہے ان میں سے ایک آیت بھی منسوخ نہیں"

بہر حال علمائے اسلام نے نسخ قرآن کا تین قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) تلاوت نسخ ہو حکم باقی رہے۔

(۲) تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔

(۳) حکم منسوخ ہو تلاوت باقی رہے۔

ناسخ و منسوخ آیات کی فہرست:

کتب تفسیر وغیرہ میں عموماً کچھ ایسی آیات ذکر کی جاتی ہیں جن کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ منسوخ ہو گئی ہیں بعض نے ان آیات کی تعداد ۱۳۸ تک لکھی ہے جن میں سے چند اہم آیات درج ذیل ہیں (یاد رہے کہ ان آیات کی منسوخی پر اجماع نہیں)

(۱) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۹ کو سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۹ نے منسوخ کیا کہ جس کو آیت سیف کہا جاتا ہے۔

(۲) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۱۵ کو بعض علما کے خیال میں "وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ" نے اور بعض کے نزدیک " فول وجھک شطر المسجد الحرام" نے منسوخ کیا یہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۰ ہی کے دو حصے ہیں۔

(۳) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۸ کو بعض علما کے نزدیک سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۵ نے منسوخ کیا۔

(۴) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ کو آیت ارث نے منسوخ کیا۔

(۵) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۳ کو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۷ نے منسوخ کیا۔

(۶) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ کو سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۵ کے اس حصے "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" نے منسوخ کیا۔

(۷) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۱ کو سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵ کے اس حصے "فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم" نے منسوخ کیا۔

(۸) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ کو سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵ نے منسوخ کیا۔

(۱۰) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ کو بعض علما نے سورہ توبہ کی آیت نمبر

۴۳ سے منسوخ مانا ہے۔

(۱۱) سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۵ کو بعض علما کے مطابق اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۶ نے منسوخ کر دیا۔

(۱۲) سورۃ النساء کی آیت نمبر ۲۴ کو بعض علما نے لکھا کہ ان روایات کی بنا پر منسوخ ہو گئی جن کی رو سے سورہ النساء کی آیت نمبر ۲۳ میں مذکورہ عورتوں کے علاوہ بھی کچھ عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں یہ دعویٰ سورہ النساء کی آیت نمبر ۲۴ کے اس حصے "واحل لکم ماوراء ذلکم" کے بارے میں کیا جاتا ہے

(۱۳) سورہ النساء کی آیت نمبر ۲۴ ہی کے حصے " فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ" کے بارے میں سنی حضرات میں مشہور ہے کہ متعہ کی حلیت منسوخ ہو گئی ہے اور قیامت تک کے لئے اسی کی حرمت ثابت ہو گئی ہے۔

(۱۴) سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۳ کا ابتدائی حصہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶ سے منسوخ ہوا۔

(۱۵) سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۲ کو اسی سورہ کی آیت نمبر ۴۸ نے منسوخ کیا۔

(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۶ کو سورہ الطلاق کی آیت نمبر ۲ کے اس حصے "واشھدوا ذوی عدل منکم" نے منسوخ کیا۔

(۱۷) سورہ الانفال کی آیت نمبر ۱۶۔ ۱۵ کو اسی سورہ کی آیت نمبر ۶۶ نے منسوخ کیا۔

(۱۸) سورہ الانفال کی آیت نمبر ۶۱ کے اس حصے " وان جنحوا للسلم فاجنح لھا" کو آیت سیف نے منسوخ کر دیا۔ آیت سیف کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔

(۱۹) سورہ الانفال کی آیت نمبر ۶۵ کو اسی سورہ کی آیت نمبر ۶۶ نے منسوخ کر دیا۔

(۲۰) سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳۹ کے اس حصے "الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما" کو اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۲۲ کے اس حصے " وماکان المومنون لینفروا کافۃ" نے منسوخ کیا۔

(۲۱) سورہ النور کی آیت نمبر ۳ کو اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۲ نے منسوخ کیا۔

(۲۲) سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۲ کو اسی سورہ کی آیت نمبر ۵۰ نے منسوخ کیا۔

(۲۳) سورہ المجادلہ کی آیت نمبر ۱۲ کو اس کی بعد والی آیت نے منسوخ کیا۔

(۲۴) سورہ الممتحنہ کی آیت نمبر ۱۱ کو بعض نے آیت سیف سے اور بعض نے آیت غنیمت سے منسوخ مانا ہے۔

(۲۵) سورہ المزمل کی آیت "قم اللیل الا قلیلا" کو اسی سورہ کے آخری حصے نے منسوخ کیا اور پھر اس سورت کا آخری حصہ جو حکم دیتا ہے وہ حکم نماز پنجگانہ کے ذریعہ منسوخ ہوا۔

ہمارا موقف:

جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ناسخ و منسوخ آیات کا مسئلہ ایک پیچیدہ اور اہل علم کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض علما اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں دونوں قسم کی آیات مذکور ہیں جب کہ بعض اہل علم کا دعویٰ ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں اور یہ اختلاف ایک ہی مسلک کے علماء کے درمیان بھی موجود ہے۔

آیت اللہ خوئی اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنی تصنیف "البیان فی تفسیر القرآن" میں دعویٰ کیا ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں وہ کہتے ہیں کہ

"جیسے ماہ رمضان ختم ہونے کے ساتھ ہی روزے کا وجوب بھی ختم ہوجاتا ہے اسی طرح نماز کا وقت نکلنے کے بعد نماز کا وجوب بھی ختم ہوجاتا ہے اور کسی کا مال مالک کے مرجانے سے اس کی مالکیت سے بھی نکل جاتا ہے ان تمام مثالوں میں حکم تو زائل ہوجاتا ہے مگر نسخ نہیں کہلاتا کیونکہ ان تمام مثالوں میں حکم نہیں بلکہ موضوع حکم برطرف ہوگیا ہے۔ موضوع کے ختم ہوجانے سے حکم برطرف ہونا ممکن ہے ایسا عملی طور پر ہوا ہے اور اس میں کسی کو کوئی اعتراض و اشکال نہیں"

میں کہتا ہوں کہ ماہ رمضان میں جس نے روزے نہیں رکھے اس پر سے

وجوب ماہ رمضان ختم ہونے کے بعد بھی برطرف نہیں ہوتا اسی طرح جس نے نماز کے اوقات میں نماز نہیں پڑھی نماز کا وقت نکلنے کے بعد نماز کا وجوب اس پر سے ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ علماء کا فتوی بھی اسی پر ہے لہذا موضوع حکم برطرف ہونے سے حکم ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ فرائض منصبی سے کما حقہ سبکدوش نہ ہو البتہ اگر کسی وقت شراب سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو بلاشک شراب ہونے کی حالت میں موجود حکم اب برطرف ہو جائے گا اور یہ نسخ بھی نہیں کہلائے گا کہ جس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ چیز بدل گئی ہے۔ چیز بعینہ وہی رہے اور حکم تبدیل ہو جائے تو یقیناً یہ نسخ ہے خدا حکیم ہے لہذا اس کا کوئی قول و حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا وہ جب جیسا چاہے حکم نافذ کر سکتا ہے اور زمانے کے نشیب و فراز کے مطابق اس نے اپنی شریعتوں میں تبدیلی بھی کی ہے اور شریعت محمدی میں ایسا ہوا ہے۔ میرے خیال میں قرآن کے اندر بعض منسوخ آیات بھی ہیں کہ جن کا حکم ساقط ہو چکا ہے۔ جب حکم ساقط ہو چکا ہے تو پھر قرآن میں ان آیات کو کیوں رکھا گیا؟ اس کی اول وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت جس طرح اس سے حکم معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کے واسطے کی جاتی ہے اسی طرح قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے اس کی تلاوت بغرض حصول ثواب بھی کی جاتی ہے لہذا اس حکمت کی وجہ سے تلاوت رہنے دی گئی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نسخ غالباً تخفیف کی غرض سے ہوتا ہے اور تلاوت کو اس سبب سے باقی رکھا کہ وہ انعام ربانی اور رفع مشقت کی یاد دہانی کرے یعنی بندوں کو یاد دلائے کہ خدا نے ان پر انعام فرما کر انھیں ان محنتوں اور مشقتوں سے بچایا ہے بہر حال قرآن میں جس قدر آیات آغاز اسلام کے احکام کو منسوخ کرنے والی وارد ہوئی ہیں ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

اہل اسلام میں اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا قرآن کے
بعض احکام، قرآن یا سنت قطعیہ یا اجماع یا عقل کی
وجہ سے نسخ ہو سکتے ہیں؟

صفحہ نمبر ۱۱۷ سے ماخوذ

باب ہفتم
حروف مقطعات

قرآن مجید میں بعض سوروں کی ابتداء میں چند آیات ہیں جن کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے مقطعات "مقطعہ" کی جمع ہے اور یہ لفظ "قطع" سے بنا ہے کہ جس کے معنیٰ کسی چیز کو الگ کردینے کے ہیں خواہ اس کا تعلق حاسۂ بصر سے ہو جیسے اجسام وغیرہ یا بصیرت سے ہو جیسے معنوی چیزیں قرآن مجید میں انتیس سوروں کی ابتداء میں ایک مخصوص ترتیب کے ساتھ کچھ حروف تہجی استعمال ہوئے ہیں جو پڑھتے وقت الگ الگ حرف کی شکل میں پڑھے جاتے ہیں اسی لیئے یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں ان حروف کو فواتح سور بھی کہا جاتا ہے بعض شیعہ مفسرین نے لکھا ہے کہ مکرر حروف کو گرادینے کے بعد جو حروف باقی رہ جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

ص ر ا ط ع ل ی ح ق ن م س ک ہ

ان مذکورہ حروف کو ملادینے سے یہ فقرہ بنتا ہے:

صراط علیٌ حقٌ نمسکہ (علی کا راستہ حق ہے ہم اس کو اختیار کریں گے)

بہرحال حروف تہجی میں سے چودہ حروف۔ حروف مقطعات کے ذیل میں بیان کیئے گئے ہیں اور یہ تعداد مجموعی حروف ہجاء کی نصف ہے اور پھر یہ بھی خوبی ہے کہ ہر ایک جنس کے حروف میں سے آدھی تعداد کے حروف مذکور ہیں مثلاً حروفِ حلق میں جو چھ حروف شامل ہیں ان میں سے صرف تین حروف ح ع ہ، ان چار حروف میں سے کہ جن کا مخرج حلق کا بالائی حصہ ہے ق ک، ہونٹوں سے ادا ہونے والے دو حرف میں سے م حروف مھموسہ کے دس حروف میں سے س ح ک ص ہ، آٹھ شدیدہ حروف میں سے ط ء ق ک، چار حروف مطبقہ میں سے ط ص۔ اٹھارہ حروف مجہورہ میں سے م ل ع ر ط ق ی ن، چھ حروف مستعلیہ میں سے ق ص ط۔ حروف مقطعات میں کم از کم ایک حرف اور زیادہ سے زیادہ پانچ حروف شامل ہیں۔

کتنے سوروں کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی؟

بنا بر اظہر قرآن مجید کے مندرجہ ذیل سوروں کی ابتدا حروف مقطعات سے ہوئی ہے نیز سوروں کے سامنے ہی ان حروف مقطعات کو بھی لکھا جارہا ہے

کہ جن سے ان سوروں کی ابتداء ہوئی:

(۱) سورہ بقرہ۔ الٓمٓ
(۲) سورہ آل عمران۔ الٓمٓ
(۳) سورہ الاعراف۔ الٓمٓصٓ
(۴) سورہ یونس۔ الٓرٰ
(۵) سورہ ہود۔ الٓرٰ
(۶) سورہ یوسف۔ الٓرٰ
(۷) سورہ الرعد۔ الٓمٓرٰ
(۸) سورہ ابراہیم۔ الٓرٰ
(۹) سورۃ الحجر۔ الٓرٰ
(۱۰) سورہ مریم۔ کٓھٰیٰعٓصٓ
(۱۱) سورہ طٰہٰ۔ طٰہٰ
(۱۲) سورۃ الشعرا۔ طٰسٓمٓ
(۱۳) سورۃ النمل۔ طٰسٓ
(۱۴) سورۃ العنکبوت۔ الٓمٓ
(۱۵) سورۃ القصص۔ طٰسٓمٓ
(۱۶) سورۃ الروم۔ الٓمٓ
(۱۷) سورۃ لقمان الٓمٓ
(۱۸) سورہ السجدہ۔ الٓمٓ
(۱۹) سورہ یٰس۔ یٰسٓ
(۲۰) سورہ ص۔ صٓ
(۲۱) غافر۔ حٰمٓ
(۲۲) سورہ فصلت۔ حٰمٓ
(۲۳) سورۃ الشوریٰ۔ حٰمٓ عسٓقٓ
(۲۴) سورۃ الزخرف۔ حٰمٓ
(۲۵) سورۃ الدخان۔ حٰمٓ

(۲۶) سورۃ جاثیہ۔ حٰمٓ

(۲۷) سورۃ الاحقاف۔ حٰمٓ

(۲۸) سورۃ قٓ۔ قٓ

(۲۹) سورۃ القلم۔ نٓ

اس طرح چار سوروں کا نام بھی حروف مقطعات پر ہیں:

(۱) سورہ طٰہٰ

(۲) سورہ یٰسٓ

(۳) سورہ صٓ

(۴) سورہ قٓ

پہلے پارے کا نام اور چھبیسویں پارے کا نام بھی مقطعات پر ہے۔ پہلے پارے کو "الٓمٓ" اور چھبیسویں پارے کو "حٰمٓ" کہا جاتا ہے اس طرح قرآن کے تیس پاروں میں سے صرف دو پاروں کے نام حروف مقطعات پر ہیں۔

حروف مقطعات کے معنیٰ:

حروف مقطعات کے تشریح میں مفسرین نے متعدد اقوال بیان کیئے ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ خدا کا وہ علم ہے جس پر اس نے کسی کو مطلع نہیں کیا۔ بعض شیعہ روایات کے مطابق حروف مقطعات کا مفہوم رسول اور ان کے وارثانِ علم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا بہر حال ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق اس پر تبصرہ کیا ہے حروف مقطعات کی تشریح میں اختلافات ہے چند مشہور اقوال ہم نقل کر رہے ہیں:

(۱) الٓمٓ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے معنی "انا اللہ اعلم" کے ہیں۔ دوسری جماعت نے کہا کہ اس کے معنیٰ "انا اللہ اریٰ" کے ہیں۔

(۲) الٓمٓصٓ کے بارے میں کہا کہ "انا اللہ افصل"

(۳) الٓرٰ حٰمٓ اور نٓ یہ تینوں حروف مقطعات لفظ الرحمٰن کے متفرق حروف ہیں۔

(۴) کہیٰعٓصٓ کے بارے میں روایت ہے کہ کاف "کریم کا تا "ہادی" کی یا "حکیم" کی عین "علیم" کی اور صاد "صادق" میں سے لیا گیا ہے

(۵) حٰمٓ عٓسٓقٓ کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ حا اور میم دونوں حروف الرحمٰن میں سے لیے گئے ہیں عین علیم سے سین القدوس سے اور قاف القاہر سے لئے گئے ہیں۔

(۶) قٓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خدا کے اسم قادر اور قاہر کا ایک حرف ہے۔

(۷) نٓ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ خدا کے اسم نور اور ناصر کے آغاز کا حرف۔ بعض نے کہا کہ اس کے معنیٰ مچھلی کے ہیں۔

(۸) طٰسٓمٓ میں طا ذی الطول میں سے سین "القدوس" میں سے اور میم "الرحمٰن" میں سے لی گئی ہے۔

(۹) حٰمٓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حا "الرحمٰن" سے اور میم "الرحیم" سے مشتق ہے۔

(۱۰) یٰسٓ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں "یاسید المرسلین"

(۱۱) صٓ کے معنیٰ صدق اللہ ہیں بعض نے کہا کہ اس کے معنیٰ ہیں "اقسم باللہ الصمد الصانع الصادق"

(۱۲) طٰہٰ اور یٰسٓ دونوں رسول کے نام ہیں۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حروف مقطعات میں خدا کا اسم اعظم پوشیدہ ہے بہر حال میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ حروف مقطعات کے کیا معنیٰ ہوتے ہیں نیز اس کی کیا تفسیر ہو سکتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ہمارا موقف:

میں کہتا ہوں کہ حروف مقطعات کا استعمال جس طرح قرآن نے کیا ہے بعض عربی شعرا ایام جاہلیت میں بھی اپنے اشعار میں کیا کرتے تھے ایک شاعر نے کہا کہ

نادا ھم الا الحموا الاتاً . قالوا جمیعاً کلّھم الافاً

مذکورہ شعر میں تا (ت) اور فا (ف) سے مراد ترکبون اور فارکبوا ہے۔ عام طور پر جو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ حروف مقطعات کے معنیٰ خدا اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا میرے خیال میں بے بنیاد ہے ان کے معانی مشرکین

عرب بخوبی جانتے تھے کیونکہ مشرکین عرب کو رسول اللہ پر نازل ہونے والی کتاب میں کسی لغزش اور غلطی نکالنے کا حد سے بڑھا ہوا شوق اور اس کی کمال جستجو رہتی تھی لہٰذا یہ حروف مقطعات غلط یا عوامی اعتبار سے نا فہم ہوتے تو کبھی ممکن نہ تھا کہ یہ مشرکین کی نکتہ چینی سے بچ جاتے اور یہی امر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایسے حروف کا استعمال اہل عرب کے یہاں معروف تھا ورنہ وہ ایسے حروف پر اعتراض ضرور کرتے جب کہ قرآن ان کو چیلنج بھی کرتا ہے چونکہ ہمارے اور آئمہ کے ادوار میں کئی صدیوں کا فاصلہ ہے اور اس عرصے میں ہم پر کیا کیا ستم نہ ہوئے زمانے سے پوشیدہ نہیں۔ پس بعید نہیں کہ جن کتابوں میں ان کے معانی مذکور ہوں وہ کتب ان کتابوں میں شامل ہوں کہ جن کو مختلف ادوار میں نذر آتش کیا گیا اور اسی طرح ان حروف مقطعات کے صحیح معانی و مفہوم ہم تک نہ پہنچ سکے۔

میرا نظریہ ہے کہ قرآن کا کوئی سورہ بھی حروف مقطعات سے شروع نہیں ہوا کیونکہ ہمارا یہی کہنا ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہر سورہ کی پہلی عبارت ہے پس جب بسملہ قرآن کا ابتدائی جملہ ہے تو پھر یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ انیتس سوروں کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سورہ توبہ کے سوا تمام سوروں کی ابتدا بسملہ یعنی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوئی اور پھر اس کے بعد انتیس سوروں میں حروفِ مقطعات کا استعمال ہوا۔

میرا نظریہ ہے کہ قرآن کا کوئی سورہ بھی حروف
مقطعات سے شروع نہیں ہوا۔

صفحہ ۱۲۹ سے ماخوذ

باب هشتم

آیت الکرسی

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ کو عموماً آیت الکرسی کہا جاتا ہے بعض شیعہ افراد کا خیال ہے کہ آیت الکرسی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ سے آیت نمبر ۲۵۷ تک تین آیتوں پر مشتمل ہے قرآن مجید نے صرف دو مقامات پر لفظ "کرسی" استعمال کیا ہے:

(۱) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ میں

(۲) سورہ ص کی آیت نمبر ۳۴ میں

چونکہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ میں لفظ کرسی آیا ہے لہٰذا اس مناسبت اس آیت کو آیت الکرسی کہا جانے لگا۔ اس آیت کو بعض علمائے اعظم الآیات بھی کہا ہے اور یہ آیت فقط خدا کی ذات، صفات اور افعال پر مشتمل ہے بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ آیت الکرسی میں اس قدر اسمائے الٰہی شامل ہیں جو دوسری کسی آیت میں ہرگز نہیں اس کی تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ آیت الکرسی میں ۱۷ مقامات ایسے ہیں جہاں خدا کا نام آیا ہے بعض مقامات پر ظاہر اور بعض جگہ پوشیدہ اور وہ مواضع یہ ہیں:

۱۔ ظاہراً: اللہ ھو الحی القیوم اور العلی العظیم

۲۔ ضمیر: لاتاخذہ۔ لہ۔ عندہ۔ باذنہ۔ یعلم۔ علمہ۔ شاء کرسیہ اور یؤدہ اور حفظھما کی وہ ضمیر مستتر جو کہ مصدر کی فاعل ہے اور ھوالعلی العظیم

قارئین کو یہ بتاتا چلوں کہ "کرسی" عوام کے خیال میں اس شے کو کہتے ہیں جس پر بیٹھا جاتا ہے۔ دراصل یہ "کرس" کی طرف منسوب اور کرس کے معنی "اوپر تلے جم جانے والا اور جمع ہو جانے والا" کے ہیں اس سے کراسہ (مجموعہ اوراق) ہے۔ کرس کسی چیز کی اصل اور بنیاد کو بھی کہتے ہیں نیز ہر چیز کے ڈھیر کو بھی کرس کہا جاتا ہے اور "کردوس" کے معنی بڑے سر والا کے ہیں۔ آیت الکرسی میں جو لفظ کرسی استعمال ہوا ہے اس کی تفسیر میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اس لفظ سے مراد علم خدا ہے۔ بعض نے کہا کہ کرسی کے معنی حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فلک محیط یعنی فلک

الافلاک کا دوسرا نام کرسی ہے۔

آیت الکرسی کی مقدار:

دراصل آیت الکرسی سورہ بقرہ کی صرف آیت نمبر ۲۵۵ پر مشتمل ہے البتہ بعض مواقع شریعت میں ایسے ہیں کہ جہاں بنا بر احتیاط یہ آیت الکرسی مزید دو آیات "لااکراہ فی الدین" سے "ھم فیھا خلدون" تک اپنے اندر شامل کر لیتی ہے۔ نماز وحشت میں بھی احتیاط اسی میں ہے کہ تین آیات "اللہ لا الہ الا ھوالحی القیوم" سے "ھم فیھا خلدون" تک پڑھی جائیں اگرچہ ماضی قریب کے عظیم مرجع آیت اللہ محسن الحکیم اور موجودہ دور کے قم میں رہائش پذیر مجتہد آیت اللہ میرزا شیخ جواد تبریزی کا فتویٰ اسی پر ہے کہ نمازِ وحشت میں آیت الکرسی "ھو العلی العظیم" تک بھی کافی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت الکرسی میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ اور ۲۵۷ بھی شامل ہے تو آیت الکرسی کے بجائے اُسے آیات الکرسی کہا جانا چاہیے کیوں کہ آیت واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور لفظ آیات جمع کے لیے پس جن کا نظریہ ہے کہ آیت الکرسی تین آیات پر مشتمل ہے تو ان کو چاہیے کہ آئندہ اُسے "آیات الکرسی" کہا کریں۔

آیت الکرسی کی فضیلت:

مولا علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ہر واجب نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی اُسے جنت میں جانے سے کوئی شے نہیں روک سکتی اور جس نے رات سوتے وقت آیت الکرسی پڑھی تو خدا اسے اس کے گھر اور ہمسایوں کو تمام رات حفاظت میں رکھتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر رات کو سوتے وقت آیت الکرسی پڑھ لی جائے تو اس گھر میں چوری نہیں ہوتی کہ جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی گئی ہے۔

اُبی بن کعب سے روایت ہے کہ کتاب اللہ میں سب سے بڑھ کر معظم آیت الکرسی ہے۔ روایات میں اور بھی فضائل وارد ہوئے ہیں کہ جن میں سے چند کو ہم نقل کر رہے ہیں:

۱۔ آیت الکرسی تمام آیات قرآنی کی سردار ہے۔
۲۔ آیت الکرسی قرآن کا ایک چوتھائی ہے یعنی ثواب میں ربع قرآن کے برابر ہے۔
۳۔ اس آیت میں 'الحی القیوم'' موجود ہے جو کہ بعض افراد کے مطابق اسم اعظم ہے۔
۴۔ جو شخص ہر واجب نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرے اسے کاٹنے والی چیز کوئی ضرر نہیں پہنچائے گی۔
۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اے علی! تمہیں آیت الکرسی کی تلاوت ہر واجب نماز کے بعد کرنا چاہیے کیوں کہ اس پر عمل سوائے پیغمبر یا صدیق یا شہید کے اور کوئی نہیں کرتا۔
۶۔ جو شخص آیت الکرسی ہر فریضہ نماز کے بعد پڑھا کرے تو اس کی نماز مقبول ہوگی اور وہ خدا کی امان میں ہوگا خداوند عالم اسے مصیبتوں اور گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت الکرسی میں سورہ بقرہ کی
آیت نمبر ۲۵۶ اور ۲۵۷ بھی شامل ہے تو آیت الکرسی
کے بجائے اسے آیات الکرسی کہا جانا چاہیے۔

صفحہ نمبر ۱۳۴ سے ماخوذ

باب نہم

مضامین قرآن

قرآن مجید میں کیا ہے؟ قرآن مجید نے کن کن موضوعات پر بحث کی ہے؟ اس میں کیا کیا بیانات ہیں؟ اسی کو مضامین قرآن کہا جاتا ہے۔ مضامینِ قرآن درج ذیل ہیں:

۱۔ اجزائے ایمان کے مباحث
۲۔ عبادات کے مباحث
۳۔ نیکیوں اور بدیوں کا بیان اور اس کے نتائج
۴۔ قصص و حکایات کا بیان
۵۔ نجات حقیقی اور اس کے حصول کے ذرائع کا بیان
۶۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح اور آپ کی نبوت کے لیے دلائل کاملہ کا بیان
۷۔ خصائص قرآن کا بیان
۸۔ اسلام کی حقیقت اور صداقت پر دلائل قاطعہ کا بیان
۹۔ کفر و شرک کے تفصیلی احوال
۱۰۔ مظاہر قدرت کا بیان

مولا علی علیہ السلام کا قول "نہج البلاغہ" میں مرقوم ہے کہ قرآن میں تم سے پہلے کی خبریں تمہارے بعد کے واقعات، اور تمہارے درمیانی حالات کے لیے احکام ہیں۔

قرآن نے علومِ اوّلین اور علوم آخرین سب کو جمع کر لیا ہے مگر اس طرح ہے کہ کوئی شخص حقیقتاً از روئے علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر یہ کہ قرآن کے ساتھ تکلم فرمانے والا (یعنی خداوند عالم) اور پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد علم قرآن کی میراث اولادِ رسول اور صحابہ کرام کو پہنچی جیسے ابن عباس وغیرہ یہاں تک کہ ابن عباس کا تو قول ہے کہ اگر میرے اونٹ باندھنے کی رسی بھی کھو جائے تو میں اس کو خدا کی کتاب میں پاؤں گا (یعنی قرآن کے ذریعہ بتا سکتا ہوں کہ کہاں ہے) پس کوئی علم ایسا نہیں

کہ جو قرآن میں نہ ہو البتہ اور اک کرنے والے مفقود ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن نے کسی موضوع کو نظر انداز نہیں کیا ہر موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کا معلوم کرنا قرآن سے اس شخص کے لیے ممکن نہ ہو جس کو خدا نے قرآن کی سمجھ عطا کی ہے یہاں تک کہ کسی عالم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال قرآن سے مستنبط کی ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ معصومین علیہم السلام کے سوا کسی کو بھی مکمل قرآن کی سمجھ عطا نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ روایت کے مطابق مولا علی علیہ السلام بسملہ کی "با" کی تفسیر میں رات گزار دیں اور اس کی تفسیر مکمل نہ ہو اور ابن عباس رات کے طویل ہونے اور تفسیر کے بیان کرتے رہنے کی خواہش کا اظہار کریں۔

ابن جریر کا قول ہے کہ قرآن تین چیزوں پر مشتمل ہے:

۱۔ توحید

۲۔ اخبار

۳۔ مذاہب

اسی لیے سورۃ اخلاص ثلث قرآن ہے کیوں کہ وہ پوری توحید پر مشتمل ہے۔ جب کہ ابن عربی کا کہنا ہے کہ قرآن بنیادی طور پر تین باتوں پر مشتمل ہے:

۱۔ توحید

۲۔ تذکیر (یاد دہانی)

۳۔ احکام

توحید میں مخلوقات کی معرفت اور خالق کی معرفت، اس کے اسماء صفات اور افعال کے ساتھ داخل ہے۔ تذکیر میں وعد، وعید، جنت، دوزخ اور صفائی ظاہر و باطن شامل ہیں جب کہ احکام میں تمام فرائض اور واجبات، منافع اور نقصان کی توضیح، امر، نہی اور مستحبات ہیں اور اسی وجہ سے سورہ الفاتحہ کو "ام القرآن" کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں یہ تینوں امور اور اقسام پائی جاتی ہیں اور سورہ الاخلاص کے ثلث قرآن کہے جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ اقسام ثلثہ میں سے صرف ایک ہی قسم توحید کے بیان پر مشتمل ہے جیسا کہ ہم نقل کر آئے ہیں۔

قرآن میں ہر چیز کا ذکر ہے۔ خود قرآن کہتا ہے کہ

"ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"

(سورۃ الانعام آیت: ۵۹)

(اور نہ کوئی تر اور نہ خشک چیز ایسی ہے کہ جس کا ذکر کھلی کتاب میں نہ ہو)

کائنات کی ہر چیز کا بیان اور احوال کتاب مبین میں موجود ہے (ایک روایت کے مطابق "کتاب مبین" سے مراد قرآن مجید ہے) البتہ ہر شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا اور ہمارا ادراک نہ کرنا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ فلاں چیز قرآن میں نہیں۔

کائنات کی ہر چیز کا بیان اور احوال کتاب مبین میں موجود ہے البتہ ہر شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا اور ہمارا ادراک نہ کرنا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ فلاں چیز قرآن میں نہیں۔

صفحہ نمبر ۱۳۱ سے ماخوذ

باب دهم

تفسیر و اصول تفسیر

تفسیر "الفسر" سے تفعیل کے وزن پر ہے اور فسر کے معنی کسی چیز کی معنوی صفت کو ظاہر کرنے کے ہیں۔ التفسیر بھی الفسر کے ہم معنی ہے مگر اس میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور عرف میں تفسیر کا لفظ کبھی تو مفرد اور نامانوس الفاظ کی تشریح اور وضاحت پر بولا جاتا ہے اور کبھی خاص کر تاویل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تاویل الرویا (خواب کی تعبیر) کی بجائے تفسیر الرؤیا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور آیت کریمہ "واحسن تفسیرا" میں بھی تفسیر بمعنی تاویل استعمال ہوا ہے۔ اصطلاح میں تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت ادا اور الفاظ کے معنی ان کے انفرادی و ترکیبی حالات اور ان کی تتمات کا بیان ہو تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ خدا کی مقدس کتاب قرآن مجید کو سمجھا جاتا ہے۔

تاویل و تشریح:

تاویل کی اصل "الاول" ہے جس کے معنی کسی چیز کے اصل کی طرف رجوع ہونے کے ہیں پس تاویل کسی چیز کو اس غایت کی طرف لوٹانا ہیں جو اس سے بلحاظ علم یا عمل کے مقصود ہوتی ہے جب کہ تشریح کا لفظ "شرح" سے مشتق ہے اسی سے "شَرَحتُ اللحم و شَرَّحتُہ" بنا ہے کہ جس کے اصل معنی گوشت وغیرہ کے لمبے لمبے ٹکڑے کاٹ کر پھیلانے کے ہیں اور اسی سے شرح صدر ہے یعنی نور الٰہیٰ اور سکون و اطمینان کی وجہ سے سینے میں وسعت پیدا ہو جانا۔ قرآن میں ہے کہ

"رب اشرح لی صدری"

(میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے)

"شرحُ المشکلِ من الکلام" کے معنی مشکل کلام کی تشریح کرنے اور اس کے مخفی معنی کو ظاہر کرنے کے ہیں۔ کتاب الٰہیٰ کی کسی آیت میں مقصود الٰہیٰ کی وضاحت کے لیے لفظ تفسیر کے استعمال میں کوئی کلام نہیں البتہ لفظ تاویل میں ایک جماعت اختلاف رکھتی ہے۔

تفسیر و تاویل کا فرق:

تفسیر اور تاویل میں اصطلاحاً کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں علماء کے کئی اقوال ہیں کہ جن میں سے اہم اور مشہور قول درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

۲۔ ایک جماعت نے کہا کہ تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام تر چیز ہے اور اس کا زیادہ تر استعمال لفظوں اور مفرد الفاظ میں ہوا کرتا ہے اور تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں میں آتا ہے پھر زیادہ تر تاویل کا استعمال کتبِ الہیٰ کے بارے میں ہوتا ہے اور تفسیر کو کتب آسمانی اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

۳۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ تفسیر ایسے الفاظ کے بیان واضح کرنے کا نام ہے جو کہ صرف ایک ہی پہلو اور معنی کا حامل ہو مگر تاویل ایک مختلف معانی کے حامل لفظ کو ان ہی معنی میں سے کسی ایک معنی کی طرف لوٹانے کا نام ہے اور یہ چیز دلائل سے ظاہر ہوتی ہے۔

۴۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے یہی امر مراد ہے پس اگر اس کے لیے کوئی یقینی دلیل قائم ہو تو وہ تفسیر صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی جس کی ممانعت آئی ہے اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ بہت سے احتمالات میں سے کسی ایک کو بغیر یقین اور شہادت الہیٰ کے ترجیح دے دی جائے۔

۵۔ بعض افراد نے کہا کہ جو بات کتاب اللہ میں واضح اور سنت صحیحہ میں معین واقع ہوئی ہے اس کو تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور تاویل وہ ہے جس کو معانیٔ خطاب کے باعمل علماء نے اور آلاتِ علوم کے ماہر ذی علم اصحاب نے استنباط کیا ہے۔

۶۔ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق درایت سے ہوتا ہے۔

میرا بظاہر رجحان اسی جانب ہے۔

ضرورت تفسیر:

تفسیر کا علم ایک مقدس اور متبرک علم ہے جو ہر شخص سے تمام تر

احتیاط اور ذمہ داری کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کا موضوع خدا کی کتاب قرآن مجید ہے جب کہ اس کی غایت یہ ہے کہ انسان اللہ کے احکام کا پورا علم حاصل کر سکے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان جب کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے تو وہ اس کی شرح نہیں کیا کرتا مگر اس کتاب کی شرح کی حاجت محض تین باتوں کی وجہ سے پڑتی ہے:

۱۔ مصنف کی فضیلت کا کمال ہے کہ وہ اپنی علمی قوت کی وجہ سے مختصر الفاظ میں مشکل معانی کو جمع کر دیتا ہے اس لیے بعض اوقات مصنف کی مراد کا سمجھنا سمجھ سے بالاتر ہو جاتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں شرح سے ان مخفی معانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے جو اپنی تصنیفات کی خود ہی شرحیں لکھی ہیں وہ بہ نسبت ان شروح کے جو دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں بہت زیادہ مراد پر دلالت کرنے والی ہیں۔

۲۔ مصنف اپنی کتاب میں چند مسائل کی وضاحت کے لیے کچھ مزید باتیں اور شرطیں اس خیال سے نظر انداز کر جاتا ہے کہ وہ امور اور شروط اظہر من الشمس ہیں یا اس لیے ان کو درج نہیں کرتا کہ ان چیزوں کا تعلق کسی دوسرے علم سے ہوتا ہے لہٰذا ایسی حالتوں میں شرح کرنے والے کو امرِ محذوف اور اس کے مراتب کے بیان کی حاجت پیش آتی ہے۔

۳۔ لفظ میں کئی معانی کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ مجاز، اشتراک اور دلالتِ التزام کی صورتوں میں پایا جاتا ہے اور ان صورتوں میں شارح پر لازم ہے کہ وہ مصنف کی غرض کو بیان کرے اور اسے دوسرے معانی پر ترجیح دے۔

مذکورہ تین باتوں کے علاوہ یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ انسانی تصانیف میں وہ باتیں واقع ہو جاتی ہیں جن سے کوئی بشر خالی نہیں مثلاً بھول، غلطی کسی کی تکرار یا مبہم کا حذف اور اسی طرح کے دیگر نقائص اس لیے شارح کو ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ مصنف کی ان لغزشوں کا بھی اظہار کر دے۔

قرآن شریف کا نزول محض عربی زبان میں ہوا اور عربی زبان بھی کس دور کی؟ اس زمانے کی کہ جب فصاحت و بلاغت کے چرچے عام تھے پھر ان لوگوں کو بھی صرف قرآن شریف کے ظاہر امور اور احکام ہی کا علم حاصل ہوتا تھا

مگر اس کے اندرونی مفہوم کی باریکیاں ان پر اسی وقت منکشف ہوا کرتی تھیں جب کہ وہ بحث اور غور سے کام لیتے اور اکثر باتوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کرتے تھے اسی کا نام تفسیر ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے مشہور شاعر غالب کے اس شعر کو ادیب حضرات آج تک کماحقہ نہیں سمجھ سکے ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کہتے ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں مذکورہ شعر پر ایک ادبی کانفرنس بھی بلائی گئی تھی۔ سیکڑوں شعراء نے اپنے اپنے انداز سے اس کی تشریح کی جب مخلوق کے کلام کا یہ عالم ہے تو خالق کا کلام سمجھنا کس قدر مشکل ہوگا خالق کے کلام کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے ہی کا نام تفسیر ہے اور اس فن پر سوائے معصومین علیہم السلام کے کوئی اور دسترس نہیں رکھتا بہر حال اس موضوع پر ہم اسی کتاب کے باب دوم میں اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔

اصول تفسیر:

جو شخص بھی کتاب اللہ کی تفسیر کا ارادہ کرے وہ فہم قرآن اور تفسیر قرآن میں ان ظواہر پر عمل کرے جو ایک صحیح عرب سمجھتا ہے یا ان فیصلوں پر عمل کرے جو ایک صحیح اور فطری عقل صادر کرے کیوں کہ جس طرح نبی حجت ظاہری ہے اسی طرح عقل حجت باطنی ہے یا اس معنی اور مفہوم پر عمل کرے جو معصومین علیہم السلام سے ثابت ہو کیوں کہ یہی ہستیاں مرجع دین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی سے وابستہ ہونے کی وصیت فرمائی ہے۔

مفسّر پہلے قرآن کی تفسیر قرآن ہی میں تلاش کرے اس لیے کہ قرآن شریف میں جو چیز ایک جگہ مجمل ہے اسی چیز کی دوسرے مقام پر تفسیر کر دی گئی ہے اور جو شے ایک جگہ مختصر کر کے بیان ہوئی ہے وہی شے قرآن کے اندر دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے میرا نظریہ یہ ہے کہ

کلام کی تشریح متکلم کو مد نظر رکھتے ہوئے کی جانا چاہیے۔ متکلم کا مقام جتنا ارفع ہوگا اسی قدر اس کی تشریح بھی بلند و بالا ہونی چاہیے پس قرآن خالق کا کلام ہے کہ جس کو کماحقہ سمجھنا بندے کی فہم و فراست اور عقل و ادراک سے ماوراء ہے لہٰذا اس کلام کو ایسے افراد سے سمجھنا چاہیے کہ جن کو خدا نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور اپنی بارگاہ ہی سے علم کے ساتھ آراستہ کر کے دارِ فانی میں اتارا اور یقیناً وہ چہاردہ معصومین علیہم السلام ہیں کہ جن کو نظرانداز کر کے قرآن قطعاً سمجھ میں نہیں آسکتا۔

مفسّر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اقوال معصومین علیہم السلام سے واقفیت رکھتا ہو بالخصوص ان اقوال سے جو قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں وارد ہوئے ہیں اس کے علاوہ اسے علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم قرات، علم اصول دین، علم اصول فقہ، اسباب نزول، علم القصص اور علم الفقہ کا بھی جاننا ضروری ہے۔

مفسّر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اقوال معصومین علیہم السلام سے واقفیت رکھتا ہو بالخصوص ان اقوال سے جو قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں وارد ہوئے ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۳۹ سے ماخوذ

باب یازدھم

شیعہ مفسرین

شیعہ مفسرین کی صحیح تعداد بیان کرنا میرے خیال میں تقریباً ناممکن ہے کیونکہ بعض شیعہ مفسرین کو زمانے کے نشیب و فراز نے گوشہ نشین ہونے پر بھی مجبور کیا بہر حال جن صاحبانِ تفسیر کے اسما ہمیں میسر آئے ان کو ہم مندرجہ ذیل پانچ ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) صحابۂ رسول کے دور کے شیعہ مفسرین

(۲) تابعی حضرات کے دور کے شیعہ مفسرین

(۳) تبع تابعین کے دور کے شیعہ مفسرین

(۴) آئمہ علیہم السلام کے زمانے کے دیگر شیعہ مفسرین

(۵) غیبت کبریٰ کے آغاز سے آج تک کے شیعہ مفسرین

(یاد رہے کہ شیعہ مفسرین میں ہم صرف غیر معصوم مفسرین کا ذکر کر رہے ہیں)

صحابۂ رسول میں سے ہمیں صرف تین شیعہ مفسرین کے نام ملتے ہیں:

(۱) عبداللہ ابن عباس

(۲) جابر بن عبداللہ الانصاری

(۳) ابی بن کعب

دراصل رسول اللہ کے دور میں "ابی بن کعب" نامی دو شخصیات تھیں۔ ایک شیعہ عقیدے کے مطابق منافق تھا جو حضرت عمر کے ساتھیوں میں شمار ہوتا ہے جب کہ دوسرا مولا علی علیہ السلام کا شاگرد تھا وہی شیعہ مفسر شمار کیا گیا ہے۔

بنابر اظہر تابعین میں صرف سات شیعہ مفسرین تھے:

(۱) سعید بن جبیر

(۲) یحیٰ بن یعمر

(۳) ابو صالح تلمیذ ابن عباس

(۴) ابو عبداللہ طاوس بن کیسان الیمانی

(۵) محمد بن السائب بن بشر الکلبی

(۶) جابر بن یزید الجعفی

(۷) السدی الکبیر ابو محمد اسماعیل بن عبد الرحمٰن الکوفی قرشی۔

اتباع التابعین (تبع تابعین) میں بھی ہمیں صرف سات شیعہ مفسرین کے نام مل سکے ہیں:

(۱) ابو حمزہ ثابت بن دینار ثمالی

(۲) ابو بصیر یحیٰی بن القاسم الاسدی

(۳) علی بن ابی حمزہ

(۴) الحصین بن مخارق

(۵) ابو علی وہیب بن حفص الجریری

(۶) ابو محمد یونس بن عبد الرحمٰن

(۷) الحسین بن سعید بن حماد

آئمہ کے دور میں مذکورہ بالا شیعہ مفسرین کے علاوہ بھی کچھ مفسرین تھے کہ جن کا شمار نہ صحابہ رسول میں کیا گیا نہ تابعین میں اور نہ ہی تبع تابعین میں۔ ان شیعہ مفسرین کے نام جو ہمیں دستیاب ہوئے درج ذیل ہیں:

(۱) ابو طالب عبد اللہ بن الصلت الیتمی

(۲) عبد العزیز بن یحیٰی الجلودی

(۳) ابو عبد اللہ احمد بن صبیح الاسدی کوفی

(۴) علی بن اسباط بن سالم

(۵) علی بن مہزیار الاہوازی ابو الحسن

(۶) علی ابن الحسن فضال

(۷) ابراہیم بن محمد بن سعید

(۸) محمد بن خالد البرقی

(۹) ابو علی الحسن بن خالد البرقی

(۱۰) علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی

(۱۱) علی بابویہ والد شیخ صدوق

(۱۲) ابن عقدہ ابو العباس الحافظ
(۱۳) علی بن احمد الکوفی ابو القاسم
(۱۴) ابو جعفر محمد بن ارومہ قمی
(۱۵) ابو عبد اللہ الغاضری
(۱۶) محمد بن مسعود بن محمد العیاشی سمرقندی
(۱۷) ابن الولید شیخ محمد بن الحسن بن احمد
(۱۸) شیخ فرات بن ابراہیم بن فرات الکوفی
(۱۹) ابن دول احمد بن محمد القمی
(۲۰) ابو العباس احمد بن الحسن الاسفرائی المفسر
(۲۱) ابو الفضل سلمہ بن الخطاب قمی
(۲۲) محمد بن ابراہیم النعمانی
(۲۳) ابو محمد بن علی العبدی الجرجانی
(۲۴) ابن وضاح
(۲۵) ابو منصور الصرام

غیبت کبریٰ کے آغاز سے لے کر آج تک کے شیعہ مفسرین کا احاطہ کرنا بھی میرے خیال میں قریباً ناممکن ہے۔ تمام تر کوشش کے بعد جو ہمیں شیعہ مفسرین نظر آئے ہم ان کے اسما حروف تہجی کے اعتبار سے نقل کر رہے ہیں:

(۱) احمد بن الحسن علی العاملی برادر حر عاملی
(۲) احمد بن عبد اللہ بن سعید بن متوج
(۳) باقر النواب ابن محمد الاصبحی الاصفہانی
(۴) جعفر بن عبد اللہ بن ابراہیم الحویزی الاصفہانی متوفی ۱۱۱۵ھ
(۵) جعفر بن کمال الدین البحرانی متوفی ۱۰۸۸ھ
(۶) حامد حسین بن محمد قلی الموسوی ہندی متوفی ۱۳۰۶ھ
(۷) حسام الدین بن جمال الدین بن طریح النجفی
(۸) الحسن بن الفضل بن الحسن طبرسی
(۹) الحسین بن علی الخزاعی ابو الفتوح رازی النیشاپوری

(۱۰) الحسین بن محمد رضا الحسینی بروجردی متوفی ۱۲۸۳ھ

(۱۱) الحسین بن محمد رضی الدین الحسینی لاجوردی کاشانی متوفی ۱۲۸۵ھ

(۱۲) الحسین بن مطر الجزائری

(۱۳) عبد علی بن جمعہ العروسی الحویزی

(۱۴) عبداللہ بن عباس البحرانی

(۱۵) عبید بن کثیر العامری ابوسعید

(۱۶) علی بن الحسن الزواری

(۱۷) علی رضا الشیرازی تجلی متوفیٰ ۱۰۸۵ھ

(۱۸) فتح علی سلطان آبادی الحائری

(۱۹) فتح اللہ بن شکر اللہ کاشانی متوفی ۹۸۸ھ

(۲۰) الفضل بن الحسن بن الفضل الطبرسی متوفی ۵۴۸ھ

(۲۱) محمد تقی بن حسین بن ولدار علی لکھنوی

(۲۲) محمد بن الحسن بن علی طوسی شیخ الطائفہ متوفی ۴۶۰ھ

(۲۳) محمد رضا بن علی نقی ہمدانی طہرانی متوفیٰ ۱۳۲۲ھ

(۲۴) محمد بن علی ظفر ہمدانی

(۲۵) محمد بن علی مروان بن الحجام

(۲۶) محمد بن رضا بن اسماعیل قمی

(۲۷) مقداد بن عبداللہ

(۲۸) محمد بن احمد بن عطاءاللہ شیرازی ملاخواجگی

(۲۹) محمد حسین علی لکھنوی متوفیٰ ۱۳۲۵ھ

(۳۰) نجف علی نونہردی متوفیٰ ۱۳۶۱ھ

بیسویں صدی عیسوی کے بعض شیعہ مفسرین یہ ہیں:

(۱) حسین بخش جاڑا متوفیٰ ۱۹۹۰ء

(۲) ظفر حسن امروہوی متوفیٰ ۱۹۸۹ء

(۳) علی نقی نقوی متوفی ۱۹۸۸ء

(۴) محمد حسین طباطبائی متوفیٰ ۱۴۰۲ھ

(۵) ناصر مکارم شیرازی نے بعض دیگر علما کے مدد سے تفسیر مرتب کی۔
(۶) محمد صادق طہرانی

اس شیعہ مفسرین کی فہرست کے علاوہ بھی ایسے متعدد علما ہیں کہ جن کی تفسیر نامکمل یا کسی پارے یا واقعہ پر مبنی ہے نیز حواشی لکھنے والے صاحبانِ تفسیر کے نام بھی نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ شیعہ مفسرین اور تفاسیر کا مکمل جائزہ لینے کے لئے ہماری تحقیق "تفاسیر اثنا عشریہ ایک جائزہ" کا انتظار فرمائیں کہ جس میں ہر اس عالم کا ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس نے کسی ایک آیت کی بھی تفسیر یا حاشیہ لکھا ہے۔

شیعہ مفسرین کی صحیح تعداد بیان کرنا میرے خیال میں قریباً ناممکن ہے کیوں کہ بعض شیعہ مفسرین کو زمانے کے نشیب و فراز نے گوشہ نشین ہونے پر بھی مجبور کیا ہے۔

صفحہ نمبر ۱۵۳ سے ماخوذ

باب دوازدھم

قرآن سے متعلق
چند مسائل شرعیہ

بغیر وضو قرآن کی تحریر کا چھونا یعنی جسم کا کوئی حصہ اس تک پہنچانا حرام ہے اور احتیاط واجب یہ ہے کہ اگر بال چھوٹے ہوں اور بدن کا جزّ شمار ہوتے ہوں تو انہیں بھی خطِ قرآن سے نہ چھوئے مگر قران کو فارسی یا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کر دیا گیا ہو تو اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں قرآن کی تحریر کا رسم الخط عربی سے تبدیل کر کے کسی اور زبان مثلاً انگریزی میں بھی کر دیا جائے تو اس کو بغیر وضو چھونا حرام ہی ہوگا مثلاً "الحمد للہ" کو اگر ALHAD.O.LILLAH لکھا جائے تو بھی اس کو چھونا حرام ہی ہوگا۔ رسم الخط کی تبدیلی فتویٰ کو تبدیل نہیں کرتی کیونکہ قرآن کسی بھی زبان میں لکھا جائے رہتا قرآن ہی ہے البتہ ترجمہ قرآن نہیں کہلاتا اس لیے اس کو چھونے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

بچہ اور دیوانہ کو قرآن کی تحریر کے چھونے سے روکنا واجب نہیں مگر ان کے چھونے سے قرآن کی بے حرمتی ہو تو انہیں روکنا چاہیے قرآن کی تحریر کو نجس کرنا حرام ہے اور اگر نجس ہو جائے تو اسے فوراً پاک کرنا چاہیے اگر قرآن کے اوراق یا اس کی جلد نجس ہو جائے اور اس کی وجہ سے قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہو تو اس کو پاک کرنا چاہیے۔ قرآن کو عین نجس چیز مثلاً خشک خون اور مردار پر رکھنا اگر قرآن کی بے حرمتی کا سبب ہو تو حرام ہے اور قرآن کو اس پر سے اٹھا لینا واجب ہے نیز نجس روشنائی سے قرآن حتیٰ کہ اسی کے ایک حرف کا لکھنا بھی حرام ہے اور اگر لکھ دیا جائے تو اسے دھونا چاہیے یا کھرچ کر یا کسی اور طریقہ سے اسے مٹا دینا چاہیے۔

بنا بر احتیاط کافر کو قرآن مجید نہ دینا چاہیے اور اگر کافر کے ہاتھوں میں قرآن ہو تو امکان کی صورت میں اس سے لے لینا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ جب قرآن کافر کو دینا ممنوع ہے تو تبلیغ کیسے ہوگی؟ آج کے دور میں تبلیغ کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً آڈیو اور ویڈیو کیسٹ کے ذریعے لہٰذا تبلیغ کے لئے یہی طریقہ اپنانا زیادہ مناسب ہے۔

اگر قرآن کا کوئی ورق یا ایسی کوئی چیز جس کا احترام ضروری ہے مثلاً ایسا کاغذ جس پر خدا، رسول یا امام کا نام لکھا ہو پاخانہ میں گر جائے تو اسے باہر نکال کر پاک کرنا واجب ہے چاہے اس سلسلہ میں کچھ خرچ ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور پاخانہ سے باہر نکالنا ممکن نہ تو اس پاخانہ کو اس وقت تک استعمال نہ کرنا چاہیے جب تک اس کے گل جانے کا یقین حاصل نہ ہو جائے اس طرح اگر بیت الخلاً میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی مٹی گر جائے اور اس کا نکالنا ممکن نہ ہو تو جب تک مکمل طور پر اس کے ختم ہو جانے کا یقین حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک اس بیت الخلا کو استعمال نہ کرنا چاہیے۔

مجنب کے لئے واجب سجدوں والے سوروں کے علاوہ کسی دوسرے سورہ کی سات آیات سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے مجنب پر قرآن کی جلد، حاشیہ اور بین السطور کو جسم کے کسی حصہ سے چھونا مکروہ قرار دیا گیا ہے نیز مجنب کے لیے مکروہ ہے کہ وہ قرآن کو اپنے ساتھ رکھے۔

جو آوازیں لہو و لعب کی محفلوں کے لئے مخصوص ہیں اور گلے میں گھما پھرا کر نکالی جاتی ہیں اور ان کو سن کر جذبات برانگیختہ ہو جاتے ہیں وہ غنا اور حرام ہیں اس آواز سے قرآن کو پڑھنا حرام ہے اور قران کو ہر اس طرز سے پڑھنا جو غیر اسلامی محافل کے ساتھ مخصوص ہے ممنوع قرار دیا گیا ہے البتہ اچھی آواز سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر قرآن کبھی ہاتھ سے گر جائے (معاذ اللہ) تو شریعت کی طرف سے کوئی کفارہ ادا کرنا واجب نہیں۔ خوشنودیٔ خدا کے لئے کسی مسکین کو کھانا کھلا دینا ایک اچھی بات ہے نیز رضائے الٰہی کے لئے کسی بھی قسم کا صدقہ کرنا بہتر ہے۔

مذکورہ بالا تمام فتاویٰ حضرت آیت اللہ العظمیٰ منتظری دامت برکاتہ کے بیان کردہ ہیں کہ جو میرے نزدیک بلاشبہ مجتہد اعلم ہیں۔

بطور ضمیمہ

قرآن معجزہ ہے

معجزہ کے لغوی معنی ہیں "عاجز کنندہ" اور اصلاح متکلمین میں معجزہ سے مراد ہے کسی الٰہی منصب کا مدعی اپنے مدعا کے اثبات میں طبعی قوانین کو توڑتے ہوئے ایک کارنامہ انجام دے کر جس کی نظیر پیش کرنے سے دوسرے عاجز اور بے بس ہوں بشرطیکہ یہ علم اکتسابی کا نتیجہ نہ ہو معجزہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حسّی

(۲) عقلی

بنی اسرائیل کے اکثر معجزات حسّی تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ قوم بڑی کند ذہن اور کم فہم تھی جب کہ امت محمدیہ کے اکثر معجزات عقلی ہیں جس کا سبب اس امت کے افراد کے ذکاوت اور ان کی عقل کا کمال ہے نیز ہر نبی و رسول کو وہی معجزہ دے کر بھیجا جو اس دور کے مشہور و فن کی مانند ہو اور اس فن کا اس دور میں چرچا بھی ہو۔ حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے ساتھ بھیجا جاتا کیوں کہ اس زمانے میں جادو کی شہرت زیادہ تھی اور جادوگر کثرت سے تھے یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی تصدیق جادوگروں نے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یونانی طب کو شہرت تھی اس دور میں اطبا عجیب و غریب طبی کارنامے انجام دیتے شام اور فلسطین میں یہ علم بہت زیادہ مروج تھا پس ان کو پروردگار نے مردوں کو زندہ مادر زاد اندھوں کو بینا اور برص کے مریضوں کو شفا دینے کا معجزہ عنایت کیا۔

عرب دو چیزوں میں بہت آگے تھے کہ جن پر انہیں بڑا تکبر تھا:

(۱) فصاحت و بلاغت

(۲) شجاعت و بہادری

پس خداوند عالم نے عرب کے رہنے والوں کی فصاحت و بلاغت کے جواب میں قرآن مجید اور شجاعت اور بہادری کے تکبر کو خاک میں ملانے کے

لئے رسول اللہ کو مولا علی علیہ السلام جیسا شجیع اور بہادر بھائی عطا کیا۔ اہل عرب دونوں ہی کا توڑ پیش نہ کر سکے۔

پیغمبر اسلام کے پاس قرآن کے علاوہ بھی معجزات تھے جن میں چاند کو دو ٹکڑے کرنا اژدھے سے کلام کرنا، سنگریزوں کا ہاتھ پر تسبیح پڑھنا اور شق القمر شامل ہیں مگر ان تمام معجزات میں قرآن کی شان اور عظمت زیادہ ہے کیونکہ دیگر معجزات وقتی ہوتے تھے جو ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہ سکتے تھے اور بہت جلد ایک تاریخی واقعے میں تبدیل ہوجاتے جنہیں گزشتہ لوگ آئندہ نسل کے لئے نقل کرتے تھے چنانچہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ شک و تردید کی نگاہ سے دیکھے جاتے مگر قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جو ابد تک باقی رہے گا اور ہر دور میں ایک زندہ معجزہ کے طور پر موجود ہے۔

کیا ہر وہ کتاب معجزہ ہے جس کی نظیر لانے سے انسان بے بس ہو؟ معجزہ کی کئی شرطیں ہیں کہ جن میں ایک یہ شرط بھی ہے کہ معجزے کو جب پیش کیا جائے تو اسے بطور چیلنج اور اپنے الٰہی منصب کے ثبوت و دلیل میں پیش کیا جائے اس کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو کام بھی بطور معجزہ انجام دیا جائے وہ علم اکتسابی کا نتیجہ نہ ہو بس غیر نبی و رسول جو بھی کتاب پیش کرے گا وہ علم اکتسابی ہی کی بدولت کرے گا۔

قرآن کی اعجاز کی وجہ اس کی فصاحت، اسلوب بیان کی قدرت اور اس کا تمام عیوب کلام سے پاک ہونا ہے قرآن کا اثر دلوں پر نہایت گہرا پڑتا ہے۔ اگر ہم قرآن کے سوا کسی دوسری کتاب کو پڑھیں یا سنیں تو ہرگز یہ بات محسوس نہ ہوگی کہ قلب کو ایک طرح کی حلاوت، رعب اور ہیبت طاری ہے جب کہ قرآن پڑھنے اور سننے سے کبھی قلب کو ایک طرح کی حلاوت و لذت محسوس ہوتی ہے اور کبھی دل میں ایک قسم کا رعب چھا جاتا ہے نیز قرآن پڑھنے والا اس کی قرات سے ملول نہیں ہوا کرتا اور سننے والے کا دل تنگ نہیں ہوتا۔

آج مورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۹۹۷ء کو ہماری یہ کتاب مکمل ہوئی۔ الحمد للہ رب العالمین۔

انمول

تحریر

***

*

قرآن مجید کی ان آیات کا عکس کہ جن کے بارے
میں کہا جاتا ہے کہ انھیں ہمارے آئمہ نے اپنے
مبارک ہاتھوں سے تحریر کیا۔

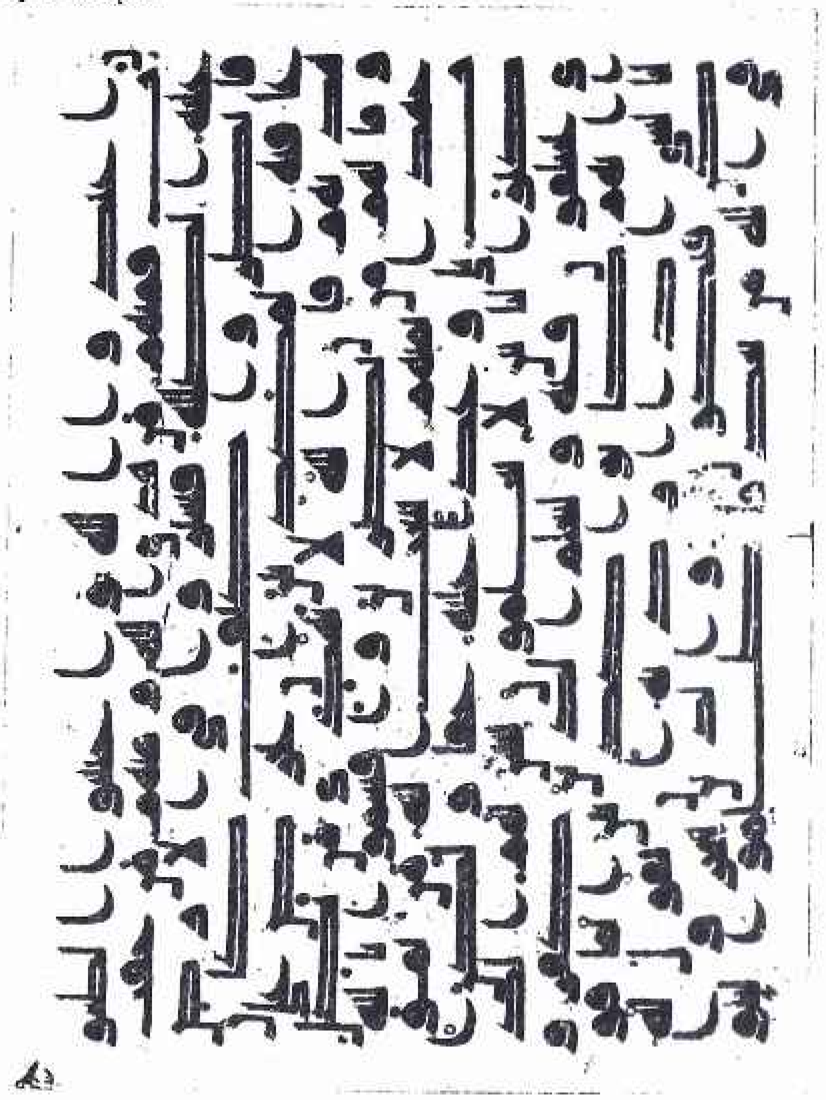

منسوب به علی بن ابی طالب (ع)

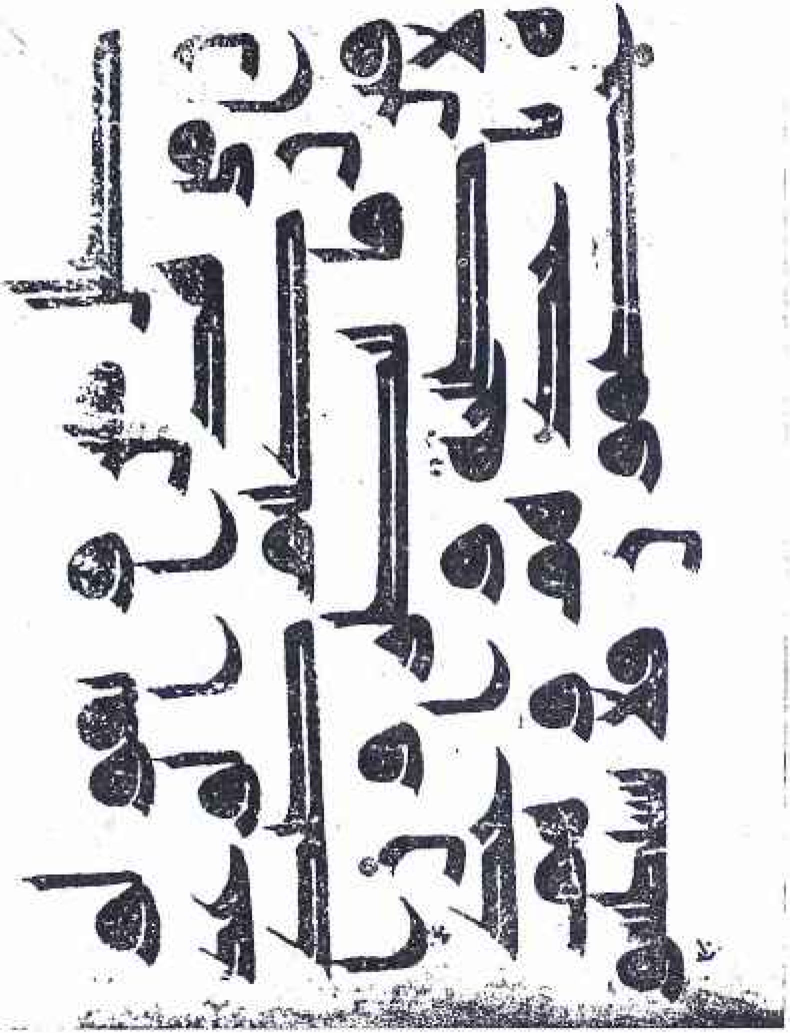

منسوب به حسن بن علی (ع)

الاعجاز فی علوم القرآن

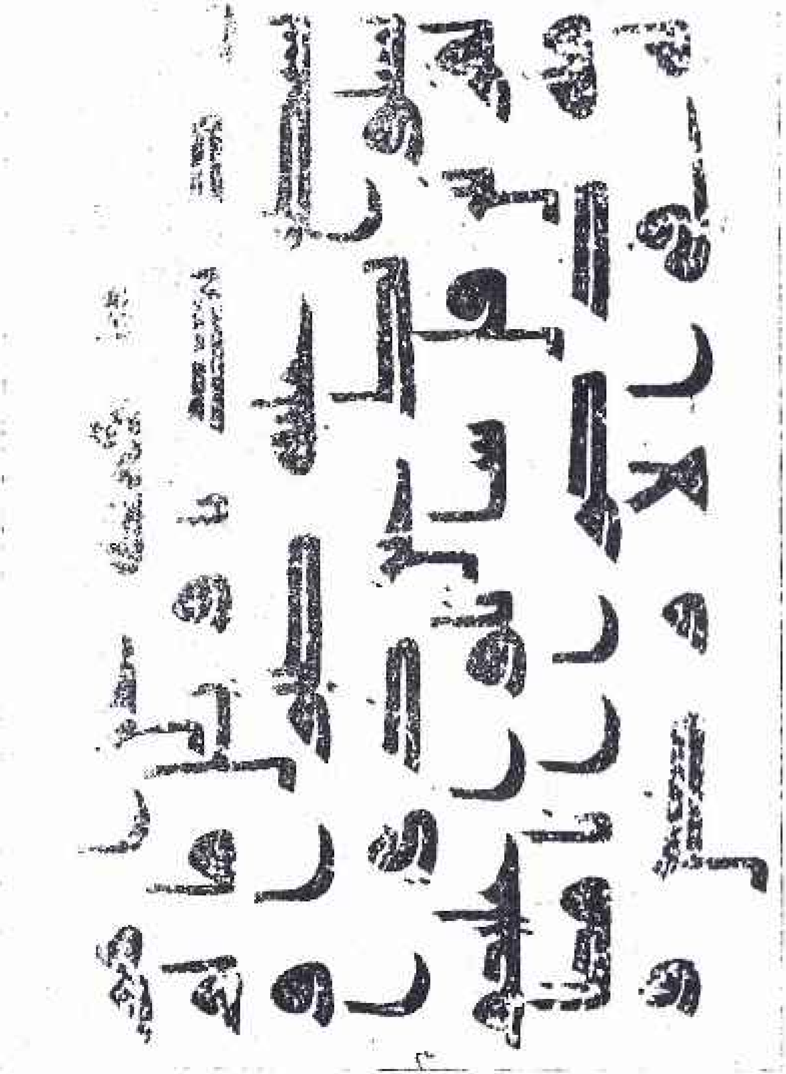

منسوب به حسین بن علی (ع)

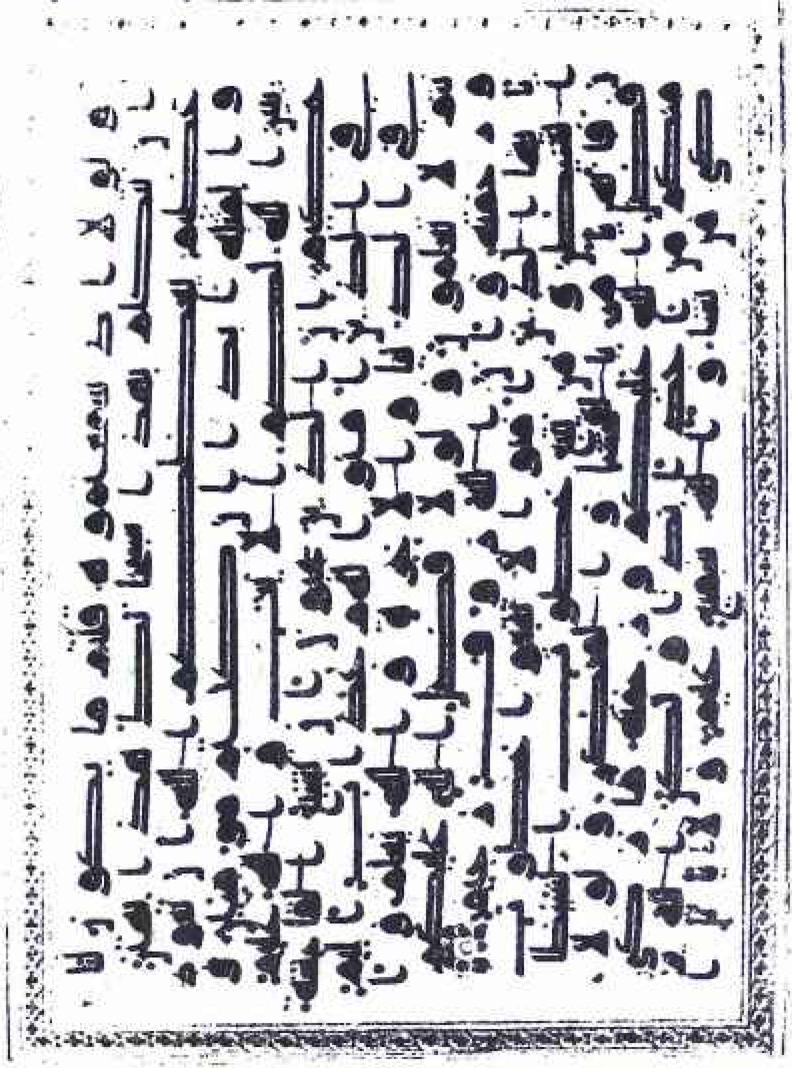

منسوب به حضرت سجاد (ع)

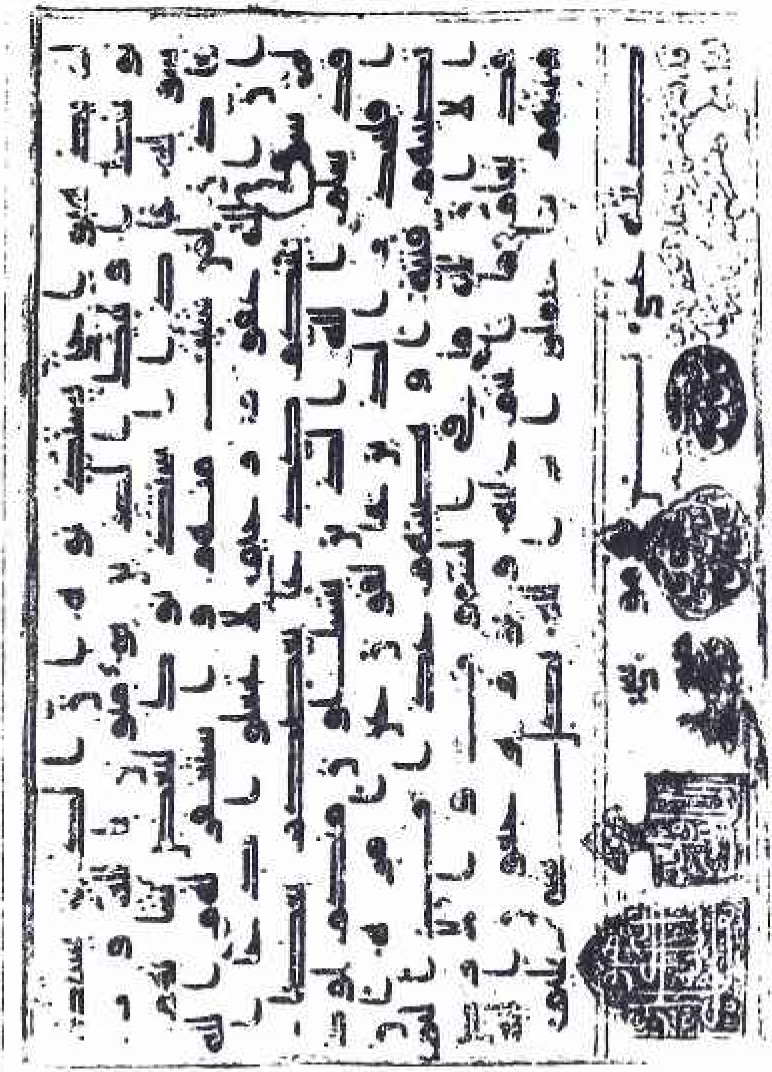

منسوب به علی بن موسی الرضا (ع)

التماس

ایک سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص برائے ایصالِ ثواب

(۱) مولانا انوار الحسن زیدی ابن مولانا سید تجمل حسین مرحوم
(۲) مولانا سید احمد میاں زیدی (راہی) ابن مولانا انوار الحسن زیدی مرحوم
(۳) سیدہ کنیز حسنین بنت آباد حسین زیدی مرحوم
(۴) سیدہ مظفری بیگم بنت ابراہیم حسین جعفری مرحوم
(۵) سیدہ انوار فاطمہ بنت انوار الحسن زیدی مرحوم
(۶) سیدہ انوار زہراء بنت مولانا انوار الحسن زیدی مرحوم
(۷) سیدہ انوار آمنہ بنت مولانا انوار الحسن زیدی مرحوم
(۸) میجر آلِ حسنین ابن سید ظہور الحسنین مرحوم
(۹) آمنہ خاتون بنت محمد حسن مرحوم
(۱۰) ندیم حیدر ابن نسیم حیدر
(۱۱) سید قمر حسن ابن مظہر علی رضوی مرحوم
(۱۲) سید ناصر حسین ابن طاہر حسین عابدی امروہوی

میں اپنے پسماندگان کو وصیت کرتا ہوں کہ

"میرے مرنے کے بعد میری تدفین میں جلدی کی جائے نیز دفنانے کے بعد مسلسل تین دن تک میری قبر پر مجالسِ امام حسین علیہ السلام کا انعقاد کیا جائے۔"

دعائے مغفرت کا طالب

سید سبط شبّر زیدی

ابن مولانا سیّد احمد میاں زیدی مرحوم

[illegible]

۱۷۳
NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by ... Welfare Trust (R)
... Heights,
... Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan

مولانا سبط شبّر زیدی کی تحقیقات

۱۔ وفات سکینہ ؑ حقیقت کے آئینے میں
۲۔ ہمارے معاویہ کی شان
۳۔ بحر العلماء
۴۔ آیات قرآنی اور اس کے فوائد
۵۔ حضرت عبداللہ شاہ غازی
۶۔ حیات الدارین
۷۔ الاعجاز فی علوم القرآن
۸۔ عید نوروز کی شرعی حیثیت
۹۔ رموز حسینی
۱۰۔ مضامین زیدی
۱۱۔ حسین علیہ السلام سے حسینیت تک
۱۲۔ تصوف کی ماہیت
۱۳۔ صوفیائے کراچی ایک جائزہ
۱۴۔ المجاہد فی احوال زید شہید رضہ
۱۵۔ تفاسیر اثنا عشریہ ایک جائزہ

مولانا سبط شبّر زیدی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ

سندھ میں ترویج تصوف پر

حضرت عبداللہ شاہ غازی کے اثرات

ایک تاریخی جائزہ

تکمیل کے مراحل میں

میں نے اس کتاب میں بعض جگہ انتہائی مختصر بحث کی ہے ان شاء اللہ اسی کتاب کی شرح "البسیط فی شرح الاعجاز" میں ہم تمام اُدھورے موضوعات کو تفصیل کے ساتھ زیر بحث لائیں گے یہ کتاب بارہ جلدوں پر مشتمل ہوگی کتاب کا انتظار فرمائیں۔

تعاون کا طلبگار۔ سید سبط شبر زیدی